اجراء حسبِ ارشاد: شیخ الحدیث حضرت مولانا مشرف علی تھانوی قدس سرہ

مواعظ حکیم الامت اور دینی رسائل کی اشاعت کا امین

ماہنامہ الامداد لاہور پاکستان

مدیر مسئول: (مولانا) ڈاکٹر احمد میاں تھانوی

مدیر: ڈاکٹر خلیل احمد تھانوی

جلد ۲۲ | رجب ۱۴۴۲ھ | مارچ ۲۰۲۱ء | شمارہ ۳

احکام المال

مال کی آمد و خرچ کے احکام (قسط اوّل)

از افادات

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

عنوانات و حواشی: ڈاکٹر مولانا خلیل احمد تھانوی

قیمت فی پرچہ =/۴۰ روپے　　زرِ سالانہ =/۴۰۰ روپے

ناشر: (مولانا) ڈاکٹر احمد میاں تھانوی

مطبع: ہاشم اینڈ حماد پریس

۲۰/۱۳ اریٹی گن روڈ بلال گنج لاہور

مقام اشاعت

جامعہ دار العلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ لاہور پاکستان

ماہنامہ الامداد لاہور

35422213
35433049

پتہ دفتر: جامعہ دار العلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ

۲۹۱۔ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

وعظ

احکام المال

(مال کی آمد وخرچ کے احکام) قسط اوّل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مال کی آمد وخرچ کے احکام کے متعلق یہ وعظ ۱۴ رجب سنہ ۱۳۳۷ھ کو بھوپال ہاؤس لکھنؤ میں کرسی پر بیٹھ کر بیان فرمایا۔ ۱۵۰۰ کی حاضری تھی۔ پونے پانچ گھنٹے میں ختم ہوا محمد یوسف ولد مردان علی سکنہ محلہ قاضیاں بجنور نے قلمبند کیا۔

مال کی آمد وخرچ کا بیان۔ سودی مال اور اس کے مٹنے کی حقیقت۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر شخص کا چندہ قبول نہ فرماتے تھے۔ آج کل تو مال حرام تک واپس نہیں کرتے۔ شریعت میں رائے پر محنتانہ لینا جائز نہیں مگر وکلاء وبیرسٹر لیتے ہیں۔ مسئلہ بتانے کی اجرت ناجائز ہے۔ نیوتہ کے مفاسد، میراث کی خرابیاں، مسلمانوں کی تباہی کا راز، اسراف وتبذیر اخراجات کے حدود کو تفصیل سے بیان فرمایا یہ وعظ کافی طویل ہے اس لیے اس کو دو قسطوں میں طبع کیا جائے گا یہ پہلی قسط ہے۔

خلیل احمد تھانوی

احکام المال

(مال کی آمد و خرچ کے احکام) قسط اوّل

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
صفحہ	عنوانات	نمبر شمار

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱..........	معاملات میں معصیت..........	۷
۲..........	ریلوے کی حق تلفی..........	۸
۳..........	ہاتھ کاٹنے کی سزا..........	۹
۴..........	استعداد نفس اور نور فراست..........	۱۱
۵..........	کید نفس..........	۱۲
۶..........	دروغ مصلحت آمیز کے معنی..........	۱۴
۷..........	نفس کی نگرانی..........	۱۴
۸..........	حضرت عمرؓ اور نفس کی نگرانی..........	۱۵
۹..........	حضرت علیؓ اور نفس کی نگرانی..........	۱۶
۱۰..........	حضرت تھانویؒ اور نفس کی نگرانی..........	۱۶
۱۱..........	اہل علم کی بے احتیاطی..........	۱۷
۱۲..........	فقہ اور اہل علم..........	۱۷
۱۳..........	منصور اور علماء..........	۱۹
۱۴..........	علماء اور امراء..........	۲۱
۱۵..........	مال کے حقوق..........	۲۲
۱۶..........	مکافات عمل..........	۲۴
۱۷..........	سودی مال اور محق کی حقیقت..........	۲۵
۱۸..........	رشوت کا حشر..........	۲۶

۱۹..........	برکت کی حقیقت..	۲۷
۲۰..........	رشوت کی خرابی..	۲۸
۲۱..........	حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور چندہ..	۲۹
۲۲..........	مقام ابوبکرؓ وعمرؓ..	۳۰
۲۳..........	چندہ میں بے احتیاطی..	۳۰
۲۴..........	پیروں کی حالت..	۳۲
۲۵..........	معاشرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم..	۳۳
۲۶..........	قابل قدر عقل..	۳۴
۲۷..........	کورانہ تقلید..	۳۶
۲۸..........	ناجائز آمدنی..	۳۸
۲۹..........	رائے اور مسئلہ کی قیمت..	۳۹
۳۰..........	مشائخ کی حالت..	۴۱
۳۱..........	حلال وحرام کی تمیز..	۴۴
۳۲..........	دین میں غلو..	۴۵
۳۳..........	شریعت میں چیزوں کی اقسام..	۸۸
۳۴..........	اخبار الجامعۃ..	۴۹

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خطبۂ ماثورہ

الحمد للہ نحمدہٗ و نستعینہٗ و نستغفرہٗ و نؤمن بہ و نتوکل علیہ و نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ و من یضللہ فلا ھادی لہ و نشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ و نشھد انّ سیدنا و مولانا محمدًا عبدہ و رسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علیٰ اٰلہ و اصحابہ و بارک وسلم اما بعد!

فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم
بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿وَلَا تَأْكُلُوٓاْ أَمْوَٰلَكُم بَيْنَكُم بِٱلْبَٰطِلِ وَتُدْلُواْ بِهَآ إِلَى ٱلْحُكَّامِ لِتَأْكُلُواْ فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَٰلِ ٱلنَّاسِ بِٱلْإِثْمِ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ﴾(۱)

معاملات میں معصیت

یہ ایک آیت ہے جس میں حق تعالیٰ نے معاملات مالیہ کی حفاظت اور اس کی تصحیح کے متعلق مضمون ارشاد فرمایا ہے۔ ضرورت اس وقت اس کے اختیار کرنے کی یہ ہوئی کہ کم وبیش (۲) دنیا ہر شخص کے پاس موجود ہے اور اس کو معاملہ کرنے کی ضرورت بھی واقع ہوتی ہے اور حق تعالیٰ نے معاملات مالیہ کی تصحیح کا اہتمام فرمایا ہے۔ پس ہر شخص کو تصحیح معاملات کی ضرورت ہے۔ مگر باستثناء شاذ (۳) کے کوئی اس کو ضروری نہیں سمجھتا اور یہ نہیں خیال کرتا کہ معاملات مالیہ کی رعایت نہ کرنے سے بھی معصیت (۴) ہوتی ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں جو معاصی (۵) پیدا ہوتے ہیں ان کا ظاہر

(۱) ''اور آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق (طور پر) مت کھاؤ اور ان کے (جھوٹے مقدمے) کو حکام کے یہاں اس غرض سے رجوع مت کرو کہ (اس کے ذریعہ سے) لوگوں کے مالوں کا ایک حصہ بطریق گناہ کھا جاؤ اور تم کو (اپنے جھوٹ اور ظلم کا) علم بھی ہو'' سورۃ البقرۃ:۱۸۸ (۲) کم یا زیادہ (۳) بہت کم لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں (۴) گناہ (۵) گناہ۔

میں کوئی اثر معلوم نہیں ہوتا اور ان کے علاوہ جو معاصی ہیں ان کا اثر ظاہر میں بھی محسوس ہوتا ہے۔ پس اگر کسی کی حقائق پر نظر ہے تو وہ ان معاصی کا اثر اور ان کے قبائح (۱) دیکھ کر متنبہ ہوجاتا ہے۔ مثلاً ایک غیبت ہی ہے کہ اس کا اثر نااتفاقی ہوجانا، آپس میں مناقشات (۲) پیش آجانا، اس کی وجہ سے پریشانی ہونا، اس لیے اس میں معصیت کا رنگ صاف نظر آتا ہے یا مثلاً ڈاکہ ہے کہ اس میں سزائیں ہوتی ہیں یہ خرابیاں اس میں آنکھوں سے نظر آتی ہیں جو باعث ہوجاتی ہیں ان کے قبیح (۳) سمجھنے کا۔ اس لیے انسان ان کو چھوڑ دیتا ہے اور معاملات مالیہ میں یہ صورت پیش نہیں آتی۔ اس لیے ان کے معاصی ہونے پر متنبہ نہیں ہوگا۔ اگر حقوق مالیہ کے تلف (۴) ہونے پر بھی آثار ظاہر ہوتے اور رسوائی وغیرہ ہوتی تو ان کے قبح پر بھی تنبہ ہوجاتا جو محرک (۵) ہوتا ان کے ترک پر اگر دینی مصلحت کی وجہ سے ان سے محترز نہ ہوتا (۶) تو خیر دنیا ہی کی حفاظت کی غرض سے ہوتا مگر یہاں یہ بھی نہیں۔

خلاصہ یہ کہ اور جتنے معاصی ہیں ان پر تنبہ ہونے کے اسباب مجتمع ہوجاتے ہیں۔ اس لیے اکثر ان پر تنبہ ہوجاتا ہے اور یہاں یہ ہے نہیں اس لیے ان کی ذرہ برابر بھی پرواہ نہیں کی جاتی۔

ریلوے کی حق تلفی

عوام الناس کا تو فتویٰ ہی ہے کہ کفار کا مال جس طرح بھی ملے لے لیا جائے سب روا (۷) ہے چنانچہ ریل میں بے احتیاطیوں کا مشاہدہ ہوتا ہے اس طرف توجہ ہی نہیں کہ تعداد سے زیادہ اسباب ریل میں لے جانا چاہیے یا نہیں؟ بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ کفار کا قانون ماننا ضروری تھوڑا ہی ہے۔ مگر خوب سمجھ لیجئے کہ یہ کوئی قانون ملکی نہیں ہے جو یہ عذر کیا جائے، بلکہ یہ قانون اجازت کے متعلق ہے۔ اگر من حیث السلطنت اس کا ماننا ضروری نہ بھی ہو تو من حیث الاستیجار (اجرت کی حیثیت سے) تو ماننا ضروری ہے۔

(۱) برائیاں (۲) جھگڑے (۳) برا سمجھنے کا (۴) ضائع ہونے پر (۵) ان کے ترک کا باعث ہوتا (۶) نہ بچتا تو (۷) جائز۔

شرائط اجارہ[۱] میں سلطنت اور غیر سلطنت برابر ہیں جن شروط پر اجارہ قرار پائے۔ ان کا پورا کرنا واجب ہوتا ہے تو ان کا قانون بحیثیت اجارہ تو واجب الامتثال ہے[۲] جب انہوں نے قانون مقرر کردیا ہے کہ پندرہ سیر سے زیادہ کسی کو اسباب[۳] بلا کرایہ لے جانے کی اجازت نہیں تو اگر تھوڑا بھی اس سے زیادہ ہوگا تو بوجہ اس کے کہ غیر کی حق تلفی ہے اس کا لے جانا ہرگز جائز نہ ہوگا۔ بہت لوگ یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ کفار کا مال ہے چاہے جس طرح تصرف کرو یہ ان کی غلطی ہے۔

بعض لوگوں نے اس کی یہ وجہ گھڑی ہے کہ بہت سے حقوق ہمارے گورنمنٹ کے ذمہ رہ گئے ہیں ہمیں جائز ہے کہ ہم خفیہ طور پر سے وصول کرلیں اول تو اس میں یہ بات ہے کہ ساری ریلیں گورنمنٹ کی نہیں ہیں بہت سی ٹرینیں کمپنی کی ہیں دوسرے اگر ساری ریلیں گورنمنٹ ہی کی ہوں تو کیا ہر شخص کا حق گورنمنٹ کے ذمہ رہ گیا ہے اور پھر جن کے حقوق گورنمنٹ کے ذمہ ہوں بھی تو کیا اس کا حساب ان کے پاس ہے کہ کتنے حق ان کے گورنمنٹ کے ذمہ ہیں اور کتنے گورنمنٹ کے ان کے ذمہ ہیں۔ یہ سب نفس کی تاویلیں ہیں بلکہ اگر ثابت بھی ہوجاوے کہ اس کا حق گورنمنٹ کے ذمہ رہ گیا ہے تب بھی حفاظت نفس کا مقتضی یہی ہے کہ ایسا نہ کیا جاوے۔

راز اس کا یہ ہے کہ نفس کو جیسی عادت ڈالی جاتی ہے ویسی ہی پڑ جاتی ہے اگر اس کی عادت ڈالی گئی تو اس کا خوگر[۴] ہوجاوے گا اور آئندہ حد سے تجاوز کرے گا۔ جہاں قطعاً جائز نہ ہوگا وہاں بھی اس عادت پر کاربند ہوگا نفس کو تو ذرا سا بہانہ چاہئے۔

ہاتھ کاٹنے کی سزا

حدیث میں ہے لعن اللّٰہ السارق یسرق البیضۃ فتقطع یدہ ویسرق الحبل فتقطع یدہ[۵] اس حدیث میں اشکال یہ ہوتا ہے کہ ایک انڈا چرانے سے یا رسی

(۱) کرایہ داری (۲) کرایہ داری کے قانون کی رو سے پابندی ضروری ہے (۳) سامان (۴) عادی (۵) ''یعنی اللہ چور پر لعنت کرے کہ وہ ایک انڈا چراتا ہے اس پر اس کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے اور ایک رسی چراتا ہے اور اس پر اس کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے'' الصحیح البخاری: ۸/ ۱۹۹، ۲۰۰، الصحیح لمسلم کتاب الحدد ب: ۱، رقم: ۷ سنن النسائی: ۸/ ۶۵، سنن ابن ماجہ: ۲۵۸۳۔

چرانے سے ہاتھ کہاں کاٹا جاتا ہے۔ ہاتھ کاٹنے کا نصاب تو اس سے زیادہ ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک انڈے اور ایک رسی پر ہاتھ کاٹنے پر فرمارہے ہیں۔ ہمارے (یعنی حنفیہ کے) نزدیک قطع ید کا نصاب دس درہم ہیں دوسرے ائمہ کے نزدیک اس کی اور مقدار ہے۔ بہرحال اہل مذاہب متبوعہ (۱) میں کوئی ایسا نہیں کہ جس کے نزدیک اس کا کوئی نصاب نہ ہو اور انڈے اور رسی چرانے پر اہل مذاہب متبوعہ میں سے کسی کے نزدیک بھی قطع ید نہیں آتا۔ اس لیے اس حدیث کا ماول (۲) کرنا واجب ہوا کہ اس کو ظاہر سے منصرف کیا جاوے پس بعض نے کہا کہ بیضہ سونے کا مراد ہے جس کی قیمت نصاب سے بھی زائد ہے اور بعض نے کہا کہ بیضہ سے مراد خود ہے خود لوہے کی ٹوپی ہوتی ہے جس کو سر پر پہن لیتے ہیں تاکہ تلوار اثر نہ کرے وہ اتنی قیمت کی ہوسکتی ہے جس پر قطع ید آوے (۳) اسی طرح بعض نے حبل سے مراد حبل سفینہ لیا (۴) ہے کہ وہ اتنی قیمت کی ہوسکتی ہے بعض نے کہا ہے کہ اتنی حقیر چیز پر قطع ید ابتدائے اسلام میں تھا پھر منسوخ ہوگیا یہ سب بعید تاویلیں ہیں۔ ہمارے استاد رحمہ اللہ نے جو تاویل فرمائی ہے وہ جی کو لگتی ہے اور ظاہر حدیث سے کچھ بعید بھی نہیں تو جب تک کہ متبادر (۵) معنی بن سکیں غیر متبادر کی طرف کیوں جائیں۔

میرے استاد فرماتے ہیں کہ حدیث میں بیضہ اور حبل کے وہی معنی مراد ہیں جو متعارف ہیں۔ یعنی انڈا اور رسی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اس سے معصیت کی عادت ہوتی ہے اور بڑی معصیتوں کا باب کھلتا ہے جو چور بدمعاش ہوتے ہیں وہ اول چوری پیسہ پیسہ سے شروع کرتے ہیں جب وہ کھپ گیا آگے جرات ہوئی پھر اور آگے چلے یہاں تک کہ ایک روز اس کی نوبت پہنچی کہ ہاتھ کاٹ دیا گیا یعنی کسی زمانہ میں انڈا یا رسی چرائی تھی آج یہاں تک نوبت پہنچی کہ اتنا مال چرایا کہ جس پر قطع ید کا حکم آگیا یہ مطلب ہے اس حدیث کا۔

---

(۱) جن مذاہب کی لوگ پیروی کرتے ہیں جیسے حنفی شافعی، مالکی، حنبلی (۲) تاویل کرنا (۳) ہاتھ کاٹا جائے (۴) بحری جہاز کے لنگر کی رسی (۵) ظاہری معنی۔

استعداد نفس اور نور فراست

اسی وجہ سے مشائخ بعض کو روکا کرتے ہیں بعض مباحات سے اور مباحات کی تقلیل کراتے ہیں کہ کہیں نفس مباحات سے گزر کر آگے نہ چلنے لگے۔ گو بعض موقع پر توسع بھی کرتے ہیں وہ تو طبیب ہیں کہیں زیادہ وسعت کرنے سے تزکیہ ہوگا نفس کا رذائل سے اور کہیں تنگی کرنے سے اس لیے جہاں وسعت کا موقع ہوتا ہے وہاں وسعت کرتے ہیں اور جہاں تنگی کا موقع ہوتا ہے وہاں تنگی کرتے ہیں وہ ماہر فن ہیں باقی دو چار لفظ کے جاننے سے کہیں دین کا فن تھوڑا ہی آسکتا ہے۔اس کا موقع ہر ایک کو نہیں معلوم ہوسکتا کہ کہاں وسعت کی حاجت ہے اور کہاں تنگی کی۔ مشائخ کی صحبت میں رہ کر خود اس کا مشاہدہ کروگے اور ان کے یہاں مختلف واقعات دیکھوگے مثلاً کسی کو دیکھوگے کہ وسعت دی جارہی ہے اور دوسرے شخص کو دیکھوگے کہ اس کو ممانعت کی جارہی ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ جو ان سے اصلاح کا طالب ہوتا ہے وہ اس کے استعداد نفس کو سمجھتے ہیں۔ ان کو خدا تعالیٰ نے اس کی ایسی فراست عطا فرمائی ہے کہ اس فراست میں ان کا کوئی شریک نہیں تمام عقلاء جمع ہو جاویں مگر وہ نور فراست کہاں سے لائیں گے جو ان کو عطا ہوا ہے ان کو یہ فضیلت ہے اوروں سے جس کی وجہ سے وہ تجویز کرتے ہیں کہ اس کے لیے یہ مناسب ہے اور اس کے لیے یہ۔

وسعت ایسی جگہ کرتے ہیں جیسے حکایت ہے کہ کسی چور نے ایک بزرگ سے بیعت کی اور چوری سے توبہ کرلی ان بزرگ نے اس کو اجازت دے دی خانقاہ میں رہنے کی۔ مرید صاحب روز رات کو کیا کرتے کہ لوگوں کے جوتے لوٹ پوٹ کیا کرتے کسی کا جوتا کہیں رکھ دیتے اور کسی کا کہیں اب لوگ حیران کہ یہ کون جوتوں کو ادل بدل کر جاتا ہے۔ آخر ایک روز ان کو الٹ پلٹ کرتے ہوئے دیکھ لیا اور پکڑ کر صبح کو شیخ کے سامنے لا حاضر کیا اور کہا کہ جوتوں کو الٹ پلٹ کرنے والے یہ مرید ہیں آپ کے۔ شیخ نے ان سے کہا کہ یہ کیا حرکت ہے۔ مرید صاحب نے کہا کہ بات یہ ہے کہ مجھ کو

چوری کی عادت تھی میں نے آپ کے ہاتھ پر توبہ کرلی۔ جب رات آتی ہے تو طبیعت میں تقاضا ہوتا ہے کہ چوری کروں۔ بے حد تقاضا ہوتا ہے ہر چند چاہتا ہوں کہ جی سے بھلادوں مگر نہیں جاتا اور چوری سے توبہ کر چکا ہوں اس لیے میں چوری کی نقل بنا کر جی کو بہلا دیتا ہوں کہ جوتے اِدھر کے اُدھر اور اُدھر کے اِدھر کر دیتا ہوں اور کہا کہ لوگوں کو اس سے تکلیف تو ہوتی ہے مگر اس سے میرے دین کی حفاظت رہتی ہے۔ یہ اندیشہ ہے کہ اگر ایسا نہ کروں تو شاید پھر چوری کرنے لگوں۔ شیخ نے اس کو اجازت دے دی کہ اچھا تم کرلیا کرو اگر کوئی دوسرا شخص اس حرکت کو کرنے لگے تو اس کو روکا جائے گا۔

اسی واسطے شیخ کے ساتھ مزاحمت نہیں چاہئے۔ وہ ماہر اور تجربہ کار ہے جو بھی فیصلہ کرتا ہے بصیرت سے کرتا ہے ہر شخص اس کو سمجھ نہیں سکتا اس سے الجھنا کہ یہاں ایسا کیوں کیا اور وہاں ایسا نہ کیا یہ مناسب نہیں۔ شیخ کہیں تنگی کرتا ہے اور کہیں وسعت اور وہی اس کو سمجھتا ہے کہ یہاں موقع تنگی کا ہے اور یہاں وسعت کا دوسرا شخص نہیں سمجھ سکتا۔

بہرحال اگر ثابت بھی ہوگیا کہ گورنمنٹ کے ذمہ ہمارا حق رہ گیا ہے جب بھی زیادہ اسباب نہ لے جانا چاہئے۔ کیونکہ ایسا کرنے سے نفس کو اس کی عادت پڑتی ہے اور عادت ہونے سے اپنا حق وصول ہوجانے پر بھی نہیں چھوڑے گا پس مقتضا معالجہ کا یہی ہے کہ گو ہمارے حقوق بھی گورنمنٹ کے ذمہ ہوں تب بھی ایسا نہ کریں۔

کید نفس

میرے پاس کثرت سے ایسے خطوط آتے ہیں کہ جن پر یا تو ڈاکخانہ کی مہر ہی نہیں ہوتی یا ہوتی بھی ہے تو ٹکٹ سے بچی ہوئی ہوتی ہے اگر میری بری نیت ہو تو میں ان ٹکٹوں سے منتفع ہوسکتا ہوں کہ دوسرے خطوط پر لگا کر بھیج دوں مگر شریعت نے اس کی اجازت نہیں دی کیونکہ جو دو پیسے لفافہ کے دیئے گئے ہیں وہ اجرت کے طور پر ہیں اور وہ لفافہ کی شکل اصل میں رسید ہے ان دو پیسے کی۔ پس جب ڈاک پہنچی تو وہ دو پیسے وصول ہوگئے اب اس رسید سے دوسری بار وصول کرنا حرام ہے، پس میں ایسے ٹکٹوں کو چاک

کر کے چھینک دیتا ہوں باوجودیکہ مجھ کو اس کی عادت ہوگئی ہے مگر پھر بھی وسوسہ ہوتا ہے کہ شاید تقویٰ ظاہر کرنے کو ایسا نہ کرتا ہوں حضرت نفس کی کیفیت یہ ہے۔

نفس اژ درہاست او کے مردہ است از غم بے آلتی افسردہ است(۱)

حضرت حاجی صاحب اس قول کے کہ الحرم سوء الظن یعنی ہوشیاری یہ ہے کہ اپنے نفس سے بدگمان رہے عجیب معنی ارشاد فرماتے تھے کہ سوء ظن سے مراد سوء ظن بنفسہٖ ہے یعنی یہ مطلب نہیں کہ دوسروں سے سوء ظن رکھے بلکہ اپنے ساتھ تو یہ معاملہ ہو کہ ہر بات میں بدگمان رہے کہ کہیں اس میں نفس کی شرارت نہ ہو اور دوسروں کے ساتھ یہ کہ ہر شخص کو اپنے سے اچھا سمجھے۔ باقی شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے بوستان میں جو فرمایا ہے۔

نگہ دارد آں شوخ در کیسہ در کہ داند ہمہ خلق را کیسہ

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ سوء ظن پر آمادہ کر رہے ہیں بظاہر ان کا کلام قرآن وحدیث کے معارض معلوم ہوتا ہے قرآن میں ہے إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ(۲) اور حدیث میں ہے ظنوا المؤمنین خیرا(۳) اور پھر ان کے کلام کے بھی معارض ہے کیونکہ گلستان میں فرماتے ہیں:

ہر کرا جامہ پار سا بینی پارسا داں ونیک مرد افکار(۴)

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس کا ظاہر اچھا ہو اس کو اچھا سمجھے اور بوستان کے کلام سے یہ پایا جاتا ہے کہ سب کو برا جانے۔ گلستان کی اور تعلیم اور بوستان کی اور یہ کیا بات ہے؟

جواب یہ ہے کہ شیخ کا مطلب یہ نہیں جو تم سمجھے۔ بدگمانی کے دو درجے ہیں ایک بدگمانی ہے اعتقاد کے درجے میں کہ دوسرے کو برا سمجھے اور ایک بدگمانی ہے عمل کے درجہ میں یعنی معاملہ ہر ایک کے ساتھ ایسا ہی کرے جیسے بدگمانی کی صورت میں کرتا تو

(۱) ''نفس تو ایک سانپ ہے جو مردہ ہوا پڑا ہے آلات نہ ہونے کے غم سے افسردہ ہے'' (۲) ''بے شک بعض گمان گناہ ہیں'' سورۃ الحجرات: ۱۲ (۳) ''مؤمنوں سے اچھا گمان رکھو'' لم اجد الحدیث فی ''موسوعۃ اطراف الحدیث'' (۴) ''جس کو پارسائی کپڑوں میں دیکھو اس کو پارسا اور نیک سمجھو''۔

ممانعت تو ہے بدگمانی کی باعتبار اعتقاد کے، مشورہ ہے بدگمانی کا باعتبار معاملہ کے سو بوستان کے اس مصرعہ کے معنی کہ

داند ہمہ خلق را کیسہ بر(۱)

یہ ہیں کہ معاملہ سب کے ساتھ ایسا کرے جیسا کہ بدگمانی میں کیا کرتے ہیں۔

دروغ مصلحت آمیز کے معنی

داند اعتقاد کی رو سے نہیں بلکہ معاملہ کے اعتبار سے ہے۔ مثلاً ایک شخص سو روپیہ قرض لینے آیا مگر ہمیں تجربہ نہیں اس کا کہ یہ شخص معاملہ کا کیسا ہے تو ہمیں اس گمان کرنے میں کچھ حرج نہیں کہ نہ معلوم یہ شخص کیسا نہیں کیسا ہے۔ دیندار ہے(۲) یا نادہندہ۔ اگر ہم جھوٹ بھی بول دیں کہ روپیہ ہمارے پاس نہیں ہے تو بھی گناہ نہ ہوگا کیونکہ یہ شخص اپنے کو ضرر سے بچا رہا ہے۔ دوسرے کو ضرر نہیں دے رہا۔ اس جھوٹ سے گناہ نہیں ہوتا یہی معنی ہیں۔

دروغ مصلحت آمیز بہ از راستی فتنہ انگیز(۳)

کے اور یہ عام نہیں ہے کہ ہر مصلحت میں جھوٹ بول دیا کرے۔ مصلحت سے مطلق مصلحت مراد نہیں بلکہ جس دروغ(۴) میں دوسرے کا ضرر(۵) نہ ہو اور اپنا یا کسی اور کا اس سے ضرر دفع (۶) ہوتا ہو شیخ نے اس کو مصلحت سے تعبیر کیا ہے۔

مثلاً کوئی شخص کسی ظالم کے خوف سے چھپا ہوا ہے اور اس کو معلوم ہے اور وہ ظالم تلاش کرنے آیا اور اس سے پوچھا اس نے کہہ دیا کہ مجھ کو خبر نہیں تو یہ جائز بلکہ واجب ہے خلاصہ یہ ہے کہ دوسروں سے بدگمانی معاملہ کے اعتبار سے ہو نہ اعتقاداً۔ ہاں اپنے نفس سے ہر حالت میں بدگمان رہے۔

نفس کی نگرانی

ہمارے حضرت علیہ الرحمہ(۷) فرماتے تھے کہ کوئی کتنا ہی شیخ کل کیوں نہ

(۱) ''ساری مخلوق کو جیب کترئیے سمجھو'' (۲) قرض واپس کریگا کہ نہیں (۳) ''مصلحت آمیز جھوٹ فتنہ پھیلانے والی سچائی سے اچھا ہے'' (۴) جھوٹ میں (۵) نقصان (۶) نقصان سے بچتا ہو (۷) حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ۔

ہوجاوے مگر جبھی مامون(۱) نہ رہے نفس پر اس کی طرف سے ہمیشہ بدگمان ہی رہے نفس کی حالت یہ ہے کہ نسبت راسخ ہوجانے کے بعد بھی وساوس گھیرتے ہیں اور وساوس کی مقاومت(۲) نہ کی جائے تو ان پر عمل ہوجاتا ہے۔ پس نفس کو وسعت(۳) ہرگز نہ دینی چاہیے۔ وسعت دینے سے عادت ہوجاتی ہے آگے بڑھنے کی، نفس کی روک تھام نہایت ضروری ہے۔ اس لیے اگر پندرہ سیر سے زیادہ اسباب لے جانے میں گنجائش بھی ہوتو بھی اس مصلحت سے بچنا چاہئے کہ کہیں نفس کو عادت نہ ہوجاوے۔ عادت کے بعد نفس کو روکنا مشکل ہے پھر اگر کہیں گنجائش نہ ہوگی تب بھی نفس نہ رکے گا۔ یہ نفس بڑا ہی شریر ہے اس سے تو کبھی غافل ہونا ہی نہ چاہیے اسی واسطے حضرات اہل اللہ باوجود نسبت راسخ ہوجانے کے بھی ہمیشہ نفس کی نگرانی کرتے تھے۔

حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ سے کون زیادہ ہوگا جن کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فی الجنۃ فرماتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد بالکل سچا ہے آپ سے سن لینے کے بعد میں ظاہر ہے کہ ان کو اس کی صحت کا یقین ہوگیا ہوگا۔ لیکن فرق یہ ہے کہ اگر ہمارے لیے ایسی بشارت ہوتو ایسے بے فکر ہوجاویں کہ کوئی گناہ نہ چھوڑیں۔ سمجھ لیں کہ جنت کے تو مستحق ہو ہی گئے بس خوب مزے اڑائیں اور خیال کرلیں کہ اب ڈر کس بات کا ہے دوزخ سے بچ گئے۔ جنت مل گئی گناہوں سے ضرر ہی کیا ہے مگر ان حضرات کی شان دیکھئے کہ باوجود ایسی قطعی بشارت کے سن لینے کے ان کی یہ کیفیت تھی۔

حضرت عمرؓ اور نفس کی نگرانی

کہ حضرت عمرؓ نے مدح سے نفس میں ذرا سا تغیر دیکھا تو اس کا علاج کرنے کے لیے پانی عوام کے گھروں میں بھرتے پھرتے تھے۔ لوگوں نے یہ دیکھ کر عرض کیا کہ آپ نفس کو اتنی مشقت میں کیوں ڈالتے ہیں آپ نے فرمایا کہ آج روم سے دو قاصد آئے تھے انہوں نے میری تعریفیں کیں کہ ہم نے آپ کے عدل کی بڑی شہرت سنی ہے

(۱) مطمئن (۲) مقابلہ نہ کیا جائے (۳) ڈھیل۔

اس سے مجھ کو اندیشہ ہوا کہ کہیں میرے نفس میں عجب(۱) نہ پیدا ہوجائے تو نفس کے علاج کے لیے میں پانی بھر کر پلا رہا ہوں نفس مجھ پر ظلم کرتا ہے میں نے اس کی یہ سزا تجویز کی تاکہ اترانے نہ پائے۔

حضرت علیؓ اور نفس کی نگرانی

اب حضرت علیؓ کا قصہ سنیے۔آپ نے ایک دفعہ کرتا پہنا اس کے پہننے سے نفس میں کچھ تغیر ہوا۔نظر میں بھلا معلوم ہوا بس قینچی منگا کر آدھی آدھی آستینیں کاٹ ڈالیں اس کو بدشکل کردیا تاکہ نظر میں پسندیدہ نہ رہے ان حضرات کی نفس کی نگرانی میں یہ حالت تھی اور یہ احتیاط تھی کہ ذرا سا بھی تغیر پاتے تھے تو بے چین ہوجاتے اور اس کا علاج کرتے یہاں تو دہ در دہ(۲) کا سا معاملہ ہے کہ جو آوے کھپ جاوے۔جیسے دہ در دہ میں نجاست کھپ جاتی ہے خلاصہ یہ ہے کہ اس قسم کی تاویلیں کرکے کفار کا مال جائز کرلیتے ہیں۔

حضرت تھانویؒ اور نفس کی نگرانی

مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ میں سہارنپور سے کانپور جاتا تھا میں نے سہارنپور سے پونڈے(۳) ساتھ لے جانے کو خریدے۔وہ تھے وزن میں زیادہ میں نے ان کو تلوانا چاہا تاکہ محصول دے کر لے جاؤں ریل کے بابو نے کہا،تھوڑے سے ہیں لے بھی جاؤ۔ میں نے کہا کہ یوں تو آپ کی اجازت معتبر نہیں اور پھر یہ کہ اگر راستہ میں کوئی تولنے لگے وہ بولے کہ میں گارڈ سے کہہ دوں گا میں نے کہا یہ گارڈ کہاں تک جائیگا کہنے لگے کہ غازی آباد تک۔میں نے کہا کہ آگے کیا ہوگا کہا کہ یہ گارڈ دوسرے گارڈ سے کہہ دے گا اور وہ کلکتہ تک جائے گا اور کانپور راستہ میں پڑے گا میں نے کہا کہ کانپور کے بعد کیا ہوگا اس نے کہا کہ آگے تو آپ کو جانا نہیں میں نے کہا کہ ابھی سفر ختم نہیں ہوا آخرت کا سفر باقی ہے

(۱) بڑائی (۲) دس ہاتھ لمبے دس ہاتھ چوڑے حوض کی طرح ہے کہ اس میں نجاست کے گرنے سے وہ ناپاک نہیں ہوتا تاوقتیکہ پانی کے تین وصفوں میں سے دو نہ بدل جائیں (۳) گنّے۔

اگر وہاں پکڑ ہوئی تو کیا ہوگا اگر کوئی اللہ تعالیٰ سے کہہ دے تو خیر لے جاؤں غرض میں محصول دے کر گنوں کو لے گیا۔

میں یہ واقعہ بیان نہ کرتا کبھی کوئی کہنے لگے کہ اپنے منہ میاں مٹھو بنتے ہیں اپنی تعریف کرتے ہیں مگر میری غرض یہ ہے کہ واقعات کے سننے میں قلوب میں اثر خوب ہوتا ہے اس لیے اس واقعہ کو بیان کیا ہے اس کام کو کرنے والا میں ہی نہیں اللہ کے بندے بہت کثرت سے ایسے بھی موجود ہیں۔ میں تو ادنیٰ سے بھی ادنیٰ شخص ہوں، مگر الحمد للہ مجھ کو اس کا خیال ہے۔ تو جو متقی اور پرہیز گار ہیں وہ کیوں نہ خیال کریں۔

اہل علم کی بے احتیاطی

اکثر کا یہ حال ہے کہ وہ بالکل ان امور میں احتیاط نہیں کرتے عوام الناس تو غفلت سے کرتے ہیں کہ ان کو خبر نہیں کہ یہ ناجائز ہیں اور اہل علم اس کو جائز کر کے کرتے ہیں چنانچہ میں اس کا ایک قصہ سناتا ہوں۔

وہ یہ ہے کہ میں اور ایک معقولی طالب علم ریل میں سفر کر رہے تھے۔ ایک شخص نے سنا کہ وہ اس ریل میں سوار ہیں ہم تو درمیانہ درجہ میں تھے اور وہ تیسرے درجہ میں یہ شخص محبت سے ہمارے پاس آبیٹھے، دو ایک اسٹیشن تک بیٹھے رہے اس کے بعد اتر کر اپنے درجہ میں جانے لگے میں نے ان سے کہا کہ تم نے اتنی مسافت درمیانہ درجہ میں قطع کی ہے اور تمہارے پاس ٹکٹ ہے سوم کا اتنی مقدار محصول کی تمہارے ذمہ دین (۱) ہے تم اس کو ادا کر دینا اور آسان ترکیب بتلادی کہ اتنی مسافت کا جس قدر محصول (۲) درمیانہ درجہ کا سوم سے زائد ہے اس کا ٹکٹ اسی لائن کا خرید کر چاک کر دینا۔ بس ادا ہو جائے گا اس پر وہ معقولی طالب علم صاحب فرماتے ہیں کہ اس کی کوئی ضرورت نہیں۔

فقہ اور اہل علم

فقہ کا مسئلہ ہے کہ منافع غصب مضمون (۳) نہیں ہوتے مثلاً کوئی کسی کے گھوڑے

(۱) قرض (۲) کرایہ (۳) اگر بذریعہ غصب نفع اٹھایا جائے تو اس کا ضمان نہیں آتا۔

پر زبردستی سوار ہو کر چل دے تو اس کا کرایہ نہ دینا پڑے گا ہاں اگر مغضوب عین (۱) ہو اور اس کو تلف کر دے تو ضمان لازم آتا ہے۔

انہوں نے جو یہ بات کہی مجھ کو سن کر حیرت ہوئی کہ جب اہل علم ہی ایسے فتوے دیں گے تو پھر عوام کی کیا حالت ہوگی۔ ایسے ہی لوگ بدنام کرتے ہیں فقہ کو اب جو شخص فقہ ہی کا قائل نہ ہو اس سے تو ہماری گفتگو ہی نہیں اور جو فقہ کا قائل ہے تو وہ فقہ کی کتابیں کھول کر دیکھے کہ فقہاء کا کیا مقصود ہے اصل یہ ہے کہ اس موقع پر دو مسئلے جدا جدا ہیں (۲) ایک یہ کہ منافع مغضوب کو تلف کرانے (۳) سے گناہ ہوگا یا نہیں اور ایک یہ کہ اس پر ضمان لازم آئے گا یا نہیں تو فقہاء گناہ کی نفی نہیں کرتے صرف ضمان کی نفی کرتے ہیں یعنی یہ نہیں کہتے کہ گناہ نہ ہوگا گناہ ضرور ہوگا لیکن ضمان لازم نہیں آئے گا۔

فقہاء کے پاس اس کی دلیل موجود ہے جس کو اہل علم سمجھ سکتے ہیں وہ یوں کہتے ہیں کہ عقد اجارہ (۴) ایک عقد ہے اور عقد کا عقلی مقتضا یہ ہے کہ بدلین میں تناسب (۵) ہونا چاہئے۔ اگر کوئی چیز خریدیں تو اس چیز میں اور اس میں جو اس کے عوض میں دی گئی ہو تناسب ہو اور جہاں بدلین میں تناسب نہ ہو، تو قیاس کے مقتضا سے وہ مبادلہ (۶) صحیح نہ ہوگا۔

جب یہ سمجھ میں آ گیا تو اب سنیے کہ منافع کا مبادلہ ثمن (۷) سے قیاس کے بالکل خلاف ہے کیونکہ ایک طرف تو عین ہے یعنی ثمن اور ایک طرف عرض یعنی منافع کسی چیز کے اور اعیان و اعراض میں تماثل نہیں ہے اس لیے ایک دوسرے کا بدل نہیں ہوسکتا تو قیاس تو یہ چاہتا تھا کہ منافع کا مبادلہ ثمن سے کسی صورت میں بھی جائز نہ ہو مگر چونکہ عقد اجارہ میں اس مبادلہ کو نص جائز (۸) بتلا رہی ہے اس لیے فقہاء نے عقد اجارہ کے اندر قیاس کو چھوڑا اور حدیث کو اختیار کیا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کے

(۱) مثلاً اگر گھوڑا غضب کیا پھر ہلاک کر دیا تو ضمان آئے گا الگ الگ ہیں (۲) جدا جدا (۳) غصب شدہ کے نفع کو تلف کرنے سے گناہ ہوگا (۴) کرایہ کا معاملہ ایک طرح کی بیع ہے (۵) بیع اس بات کی مقتضی ہوتی ہے کہ دونوں بدلیں میں ایک مناسبت ہو (۶) جہاں یہ مناسبت نہ ہو تو ایک چیز کے بدلے دوسری چیز دینا صحیح نہیں (۷) فائدہ اٹھانے کو پیسوں کا بدل قرار دینا خلاف قیاس ہے (۸) کرایہ کے معاملہ کو شریعت جائز کہتی ہے۔

سامنے ہمارا قیاس کوئی چیز نہیں اور جہاں عقد نہ ہو جیسے کہ منافع کے غصب کی صورت میں اس کے اندر کوئی نص نہیں ہے جواز کی جو قیاس کے چھوڑنے پر مجبور کرے یعنی غیر عقد میں نص ہی نہیں اس لیے وہاں بمقتضائے قیاس اس مبادلہ کی عدم صحت کے قائل ہوئے اور منافع مغصوب کو مضمون نہ ٹھہرایا(۱)۔ یہ تحقیق ہے اس مسئلہ کی کہ منافع مغصوب مضمون نہیں۔

ان مولوی صاحب نے اس مسئلہ سے کام لیا مگر اس سے یہ کہاں لازم آیا کہ گناہ بھی نہ ہوگا۔ اس پر تو انہوں نے نظر کی کہ ضمان نہیں آتا اور اس پر نظر نہ کی کہ گناہ ہوتا ہے اور اس گناہ کی تلافی یہی ہے کہ اس کا بدل ادا کر دے(۲)۔ کیونکہ یہ گناہ حقوق العباد سے ہے جو مال کے متعلق ہے اسی واسطے علم ہر ایک کے لیے نافع نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ اہل اللہ اس پر نظر کرتے ہیں کہ کس کے واسطے علم مضر ہوگا جس کو مضر ہوتا ہے اس کو درسیات سے محروم رکھتے ہیں زبانی تعلیم بقدر فرض عین کے اس کے لیے تجویز کرتے ہیں اسی کے بارے میں تو مولانا فرماتے ہیں۔

بدگہر را علم و فن آموختن　　دادن تیغ ست بدست رہزن(۳)

یہ تو قاعدہ کلیہ فرمایا۔

منصور اور علماء

اس کے بعد تفریع کے طور پر کہتے ہیں

چوں قلم دردست غدارے فتاد　　لاجرم منصور بر دارے فتاد(۴)

یعنی دیکھو بدگہر کی تعلیم کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ ایک غدار کو جب حکومت کے اختیارات ملے تو اس نے منصور کو دار(۵) پر چڑھوا ہی دیا اس شعر میں مولانا نے صرف ایک شخص کو غدار کہا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس سے علماء اہل فتویٰ مراد نہیں ہیں ورنہ وہ تو متعدد علماء تھے اس لیے دردست غداراں کہنا چاہئے تھا۔ سو اس کی حقیقت یہ ہے کہ

(۱) یعنی پیسے دیدے (۲) غصب کردہ سے نفع اٹھانے پر ضمان نہ آنے کا قول اختیار کیا (۳) ''بدگہر کو علم وفن سکھانا ڈاکو کے ہاتھ میں تلوار دینا ہے'' (۴) ''اگر تم کسی غدار کے ہاتھ میں آجائے تو پھر منصور کو تختہ دار پر چڑھنے میں کوئی تعجب نہیں ہے (۵) پھانسی لگوادی۔

اس شعر میں غدار سے مراد خاص ایک وزیر ہے کیونکہ منصور کو صرف اسی نے قتل کرایا تھا علماء ان کے قتل میں شریک نہ تھے۔

یہ تو ایک تاریخی بات ہے کتب تواریخ میں ان کی شہادت کا قصہ اسی طرح لکھا ہے کہ وزیر کو منصور سے عداوت تھی۔ چونکہ وہ بھی عالم تھا گو مقتداء نہ سمجھا جاتا تھا اس وجہ سے اس نے اپنی عداوت نکالنے کے لیے اس طور پر استفتاء تیار کیا کہ علماء کو قتل ہی کا فتویٰ دینا پڑا۔ مثلاً یہ کہ زید نے ایک کلمہ کفر کا کہا اور اس کی کوئی عذر کی بھی حالت نہیں اور اس پر مصر ہے(۱) تو اس شخص کا کیا حکم ہے ظاہر بات ہے کہ اس کا جواب یہی ہے کہ وہ مرتد ہے اور واجب القتل ہے۔ اس لیے علماء پر الزام نہیں کیونکہ ان سے تو جیسا سوال کیا جاوے گا اسی کے مطابق وہ جواب دیں گے یہ تو سائل کے ذمہ ہے کہ سوال کے اندر کوئی بات واقعہ کے خلاف نہ لکھے تو چونکہ علماء بے قصور تھے اور قصوروار صرف وزیر تھا اس لیے غدار کہا۔

یہ میں نے اس لیے کہا تا کہ کسی کو یہ خیال نہ ہو کہ مولانا علماء کی طرف سے بدگمان ہیں اور ان کو غدار کہہ رہے ہیں خوب سمجھ لو کہ مولانا وزیر کو غدار کہہ رہے ہیں علماء کو نہیں کہہ رہے۔

بہرحال میرا مقصود پہلا شعر ہے کہ بدگہر کو علم نہ سکھانا چاہئے کیونکہ اس سے بڑا ضرر پہنچتا ہے ان معقولی طالب علم صاحب ہی کو دیکھئے کہ فقہ پڑھ کر انہوں نے اس سے یہ انتفاع(۲) حاصل کیا کہ تمہارے ذمہ محصول نہیں چاہیے اور ضرورت نہیں کرایہ دینے کی میں نے کہا حفظت شیئا و غابت عنك اشیاء(۳) تو مسئلہ یاد کرلیا کہ منافع مضمون نہیں ہوتے اتلاف(۴) سے اور دوسری بات یاد نہیں رہی کہ گناہ ہوتا ہے۔ آخر اس گناہ کا تدارک بھی ضروری ہے یا نہیں؟ اگر ضروری ہے تو اس کا سوائے اس کے اور کیا طریقہ ہے کہ کرایہ دے کر صاحب حق کو راضی کیا جاوے۔ پس اس کو سن کر وہ چپکے رہ گئے

(۱) بضد ہو رہا ہے (۲) فائدہ اٹھایا (۳) ایک بات کی رعایت کی اور کئی باتوں سے غفلت ہوگئی (۴) نفع کو ضائع کرنے سے ضمان نہیں آتا۔

حضرت جب اہل علم کی طرف سے یہ گنجائش ملے تو پھر عام لوگوں کو کیا شکایت۔

علماء اور امراء

زیادہ تر ایسی گنجائشیں امراء کی خاطر نکالی جاتی ہیں اسی واسطے حدیث میں بڑی مذمت آئی ہے اس عالم کی جو امراء میں گھسا رہے اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تساہل ہوجاتا ہے مسائل کے اظہار[۱] سے جہاں پلاؤ قورمہ اور عمدہ مال کھانے کو ملے تو وہاں کیا پرواہ رہ سکتی ہے دین کی وہاں تو یہ ڈر ہوگا کہ اگر حق بات کہیں گے تو پلاؤ قورمے جاتے رہیں گے۔ ایسی جگہ امید ہی نہیں کہ صاف بات کہیں بلکہ یہ کیفیت ہوگی کہ اگر امراء ناجائز فعل کو پوچھیں گے تو تاویل کرکے جائز بتلادیں گے۔

چنانچہ امراء کے یہاں شطرنج کا مشغلہ عموماً ہوجاتا ہے اب جو ان کے ہاں حاضر باش علماء ہیں وہ تاویل کرکے جائز بتلادیتے ہیں۔ مثلاً یہی کہہ دیتے ہیں کہ شافعی کے نزدیک جائز ہے اور ان کے نزدیک بھی جو شرطیں ہیں ان کا نام تک نہیں لیتے سو امراء کی مخالطت[۲] سے یہ حالت ہوجاتی ہے علماء کی اس واسطے حدیث میں ہے۔

العلماء امناء الدین مالم یخالطوا الامراء فاذا خالطوا الامراء فهم لصوص الدین فاحذروهم[۳] یعنی علماء امین ہیں دین کے جب تک کہ وہ امراء سے مخالطت نہ کریں اور جب امراء میں گھسنے لگیں تو وہ دین کے ڈاکو ہیں ان سے لوگوں کو بچنا چاہیے۔

چنانچہ دیکھ لیجئے کہ جو علماء امیروں سے مخالطت رکھتے ہیں ان کی کیسی خراب حالت ہے اور راز اس کا یہ ہے کہ طبائع میں عموماً طبع غالب ہے اس لیے امراء سے جب مخالطت ہوتی ہے تو طمع مانع ہوجاتی ہے اظہار حق سے سو یہ ساری خرابی طمع کی ہے اسی واسطے کہتے ہیں۔

چوں غرض آمد ہنر پوشیدہ شد		صد حجاب از دل بسوئے دیدہ شد[۴]

---

(۱) مسائل کی حقیقت بیان کرنے میں سستی ہوتی ہے (۲) میل جول سے (۳) اتحاف السادة المتقین :۱/۸۸۳، کنز العمال: ۲۸۹۵۲، ۲۹۰۸۳ بلفظ ''العلما امناء الانبیاء والرسل'' الخ (۴) ''جب غرض آجاتی ہے ہنر پوشیدہ ہوجاتا ہے دل سے سینکڑوں پردے آنکھوں پر پڑجاتے ہیں''۔

اور علماء کو اس سے دنیوی ضرر بھی پہنچتا ہے کہ ان کی عظمت امراء کے قلب میں بالکل نہیں رہتی دل میں وہ بھی سمجھتے ہیں کہ ہماری خاطر سے ایسا فتویٰ دے رہے ہیں بس وہ ایک آڑ بنا لیتے ہیں ان کو ورنہ حقیقت وہ بھی جانتے ہیں سو جب حالت یہ ہے تو پھر کیا امید ہے ان علماء سے اصلاح کی۔

بہرحال لوگ مال کے بارے میں زیادہ گنجائش نکالتے ہیں عوام اپنے لیے اور علماء ان کے لیے اس میں بالکل احتیاط نہیں کرتے اور امور میں تو خیر کچھ احتیاط کرتے بھی ہیں جس میں احتیاط کرنے سے بظاہر کوئی ضرر نہیں ہوتا اور خالی مفت کرام داشتن ہے(۱) وہاں احتیاط سے کچھ کام لے لیتے ہیں بخلاف مال کے کہ اس میں احتیاط کرنے سے دس کے پانچ ہی رہ جاتے ہیں۔ یہاں احتیاط کرنا ذرا مشکل ہے اور نفس پر شاق ہے(۲)۔ اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے کم ہیں جو اس میں احتیاط کرتے ہوں ورنہ نفس تو گنجائش ہی کی طرف بلاتا ہے اور عام طور پر ایسے ہی لوگ ہیں جو ان معاملات میں ذرا احتیاط نہیں کرتے اس واسطے میں مطلع کرتا ہوں کہ مال کے بھی حقوق ہیں جن کی رعایت نہیں کی جاتی چونکہ حقوق مالیہ میں بے احتیاطی زیادہ کی جاتی ہے اس لیے میں اس وقت اس کا بیان کرتا ہوں۔

مال کے حقوق

شروع میں جو میں نے آیت تلاوت کی ہے اس سے پہلی آیت میں حق تعالیٰ نے روزہ کا مسئلہ ارشاد فرمایا ہے جس کا شروع یہاں سے ہے **أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَائِكُمْ** (۳) اکثر لوگوں کو یہ گمان ہوگا کہ قرآن شریف کی اس آیت اور پہلی آیت میں فرماتے ہیں **وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم** (۴) کہاں تو روزہ کا بیان اور کہاں یہ کہ حرام مال سے بچو۔ اس میں جوڑ کیا ہے لیکن اگر غور کیجئے تو آپس میں بڑا جوڑ ہے روزہ میں فرماتے ہیں: **وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ**

(۱) لالچ اظہار حق سے روکتا ہے (۲) بھاری (۳) سورۃ البقرہ: ۱۸۷ (۴) سورۃ البقرہ: ۱۸۸

ٱلۡخَيۡطِ ٱلۡأَسۡوَدِ مِنَ ٱلۡفَجۡرِۖ ثُمَّ أَتِمُّواْ ٱلصِّيَامَ إِلَى ٱلَّيۡلِ (۱)

سو روزہ تو موقت ہے(۲) کہ اس میں جو چیزیں چھڑائی گئی ہیں وہ ایک وقت خاص تک کے لیے چھڑائی گئی ہیں کھانے پینے کی چیزیں خاص وقت سے خاص وقت تک حرام کردی گئی ہیں مگر حرام مال سے بچنے کا روزہ کبھی ختم نہیں ہوتا گویا ایک روزہ کے ساتھ دوسرے روزے کا ذکر فرمایا خیال تو فرمائیے کہ کتنا لطیف ربط ہے(۳)۔

غرض اس آیت میں حق تعالیٰ ہم کو نصیحت کرتے ہیں کہ آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق مت کھاؤ اور اس آیت میں خدا تعالیٰ نے **وَلَا تَأۡكُلُوٓاْ أَمۡوَٰلَكُم** کہ اپنا مال مت کھاؤ۔ یہ نہیں فرمایا کہ لا تاکلوا اموال اخوانکم کہ اپنے بھائیوں کا مال مت کھاؤ حالانکہ مطلب یہی ہے قرآن شریف کی تعلیم بھی حکمت اور عقل پر اس قدر منطبق ہے کہ کسی کی تعلیم ہو ہی نہیں سکتی۔ اس کی تعلیم ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایسے کا کلام ہے جو بڑا حکیم ہے اور شفیقانہ کلام ہے نرا ضابطہ کا کلام نہیں یہ ایسا ہی کلام ہے جیسے باپ اپنے بیٹے کو خطاب کرتا ہے کہ اس میں ہر پہلو سے شفقت کی رعایت ہوتی ہے اور ایک نرا ضابطہ کا کلام ہوتا ہے جیسے کوئی منادی کرنے والا حاکم کی طرف سے اعلان کرتا ہے اس میں نرے ضابطہ کے الفاظ ہوتے ہیں اس میں اس کی کوشش نہیں ہوتی کہ موثر الفاظ ہوں اور بلیغ عنوان جو قلب پر اثر کریں ضابطہ کی منادی میں اس کا اہتمام کہاں ہوتا ہے اور شفیقانہ کلام میں ایسے الفاظ ہوتے ہیں جن کے سننے سے دشوار کام بھی آسان ہوجاوے اس آیت میں حق تعالیٰ نے اسی طرح نصیحت فرمائی ہے۔ جیسے باپ اپنے بیٹے کو نصیحت کرتا ہے اگر یہ خدا تعالیٰ کا کلام نہ ہوتا تو یوں ہوتا ولا تاکلوا اموال غیر کم (اور دوسروں کا مال مت کھاؤ) یہ کلام ہوتا تو درست مگر اس کو وہ اثر نہ ہوتا جو آیت کے الفاظ کا ہے۔

خدا تعالیٰ نے **أَمۡوَٰلَكُم** اس واسطے فرمایا کہ انسان کو اپنا مال زیادہ محبوب ہوتا ہے۔

(۱) ’’یعنی جب تک صبح صادق نہ ہو اس وقت تک کھاؤ پیو اور جب صبح صادق نکل آوے تو اس وقت کھانا پینا چھوڑ دو پھر جب کہ سورج غروب ہوجائے اس وقت روزہ کو ختم کردو‘‘ سورۃ البقرہ:۱۸۷ (۲) روزہ کا وقت تو مقرر ہے (۳) عمدہ جوڑ ہے۔

دوسرے کے مال سے اگر اپنا مال زیادہ محبوب نہ ہوتا تو پرائے مال کو اپنا مال بنانے کی کیوں کوشش کرتا تو چونکہ انسان کو غیر مال سے چنداں محبت نہ تھی اس لیے ضرورت اس امر کی تھی کہ ایسے عنوان سے کہا جاوے جو داعی ہو حفاظت کا اور اس حفاظت کا داعی بجز اس کے اور کوئی لفظ نہ تھا کہ اس کو أَمْوَالَكُمْ سے تعبیر فرمائیں یعنی غیر کا مال بھی ایسا ہی سمجھو جیسے اپنا ہی ہے اس کی ایسی ہی حفاظت کرو جیسے اپنے مال کی کیا کرتے ہو۔

اگر کوئی اعتراض کرے کہ یہ تو شاعری ہے کہ غیر کے مال کو اپنا سمجھو غیر کے مال کو تو غیر ہی سمجھا جاوے گا اس کو اپنا کیسے سمجھ سکتے ہیں۔

مکافات عمل

جواب یہ ہے کہ غیر کا مال تو غیر ہی کا ہے۔ واقعی اپنا نہیں مگر وَلَا تَأْكُلُوٓا أَمْوَالَكُمْ فرمانے سے اشارہ اس طرف ہے کہ جب کسی کا مال تلف کرو گے تو تمہارا مال تلف ہوگا خواہ دنیا میں یا آخرت میں اس معنی کر بھی دوسرے کا مال تلف (۱) کرنا اپنا ہی مال تلف کرنا ہے۔ اکثر تو یہ دنیا ہی میں ہوجاتا ہے کہ جو کوئی دوسرے کا مال تلف کرتا ہے تو اپنا بھی تلف ہوجاتا ہے اگر دنیا میں نہ ہوا تو آخرت میں تو ضرور ہی ہوگا۔ حضرت یہ تجربہ ہوا ہے کہ جو لوگ مال وجوہ باطلہ (۲) سے حاصل کرتے ہیں دنیا میں بھی ان کا بھلا نہیں ہوگا۔

چنانچہ کانپور کا قصہ ہے کہ مسجد میں مدرسہ تھا اس کے لیے کچھ زمین کی ضرورت تھی مسجد کے پاس ایک شخص رہتے تھے جو کہ چنداں مالدار تو نہ تھے مگر تھے خاندانی شخص ان کا بہت بڑا مکان تھا ان سے تھوڑی زمین مسجد کے لیے لینی چاہی انہوں نے انکار کردیا بلکہ کچھ اور مسجد کی زمین دبالی ایک مرتبہ وہاں ایک بزرگ تشریف لائے ان سے اس کا ذکر کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ وہ زمین ان کی زمین کو لینے گئی ہے ان کی زمین کو اپنے ساتھ لے کر آوے گی چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اس شخص پر بہت غربت آگئی حتی کہ اس کو ساری زمین فروخت کرنی پڑی۔ جس کو مسجد والوں نے خرید لیا اور خرید کر مدرسہ بنادیا۔

---

(۱) ضائع کرنا (۲) غلط طریقہ سے۔

حضرت یہ کہیں نہیں ہے کہ آپ کسی کو نقصان پہنچائیں اور آپ کا نقصان نہ ہو تو اس لیے بھی أَمْوَالَكُمْ فرمایا۔

سودی مال اور محق کی حقیقت

اب وجوہ باطلہ (۱) کی کچھ مثالیں سنیے سو اس میں سے ایک سودی معاملہ ہے جس کے بارے میں ہے يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا (۲) سودی مال جمع ہوتا ہے اور ایک دن مٹ کر رہتا ہے اور حقیقتاً تو مٹتا ہی ہے مگر صورۃً بھی مٹتا ہے ایک دن بے طرح مارے جاتے ہیں اور اگر اتفاقاً کبھی نہ بھی مٹے تب بھی اس سے کلام الٰہی پر اعتراض نہیں آتا۔ کیونکہ يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا قضیہ مہملہ ہے جو وقت میں جزئیہ کے ہوتا ہے اگر ایک دفعہ بھی مٹ جائے تو وہ صادق آجائے گا معنی یہ ہیں کہ سود والے اکثر مٹتے ہیں اور اس کے بہت سے واقعات ہیں جن سے اس کی تصدیق ہوتی ہے اگر کہیں ظاہراً نہ مٹے تو اور طریقہ سے مٹتا ہے۔

محق (۳) کی قسمیں مختلف ہیں ایک یہ ہے کہ مال جاتا رہے چوری وغیرہ ہوجائے یہ تو ظاہری محق ہے۔ اور ایک محق ہے معنوی وہ یہ کہ سود والا مال سے خود منتفع نہیں ہوتا۔ فاقہ بھر بھر کر عمر ختم ہوجاتی ہے سود لینے کا سبب بخل ہے جتنا سود لیتا ہے اتنا ہی بخل بڑھتا جاتا ہے یہاں تک کہ اپنے تن پر بھی خرچ نہیں کرتا یہ حالت ہوتی ہے۔

سخیاں زاموال بری خورند بخیلاں غم سیم وزری خورند (۴)

ایک ماسٹر تھے۔ سو روپے ان کی تنخواہ تھی اور پانچ روپے ان کا خرچ تھا۔ لوگوں نے کہا، میاں تمہاری اتنی بڑی تنخواہ ہے تم تکلیف کے ساتھ کس لیے گزر کرتے ہو انہوں نے کہا کہ مجھ کو اس تصور میں کہ میرے پاس اتنا روپیہ ہے ایسا حظ (۵) آتا ہے کہ میرا دل ہی جانتا ہے۔ وہ اسی میں مست تھے۔

غرض کہیں اس طرح بھی سود میں محق ہوتا ہے کہ اوپر خرچ نہیں ہوتا تو یہ محق

---

(۱) غلط طریقوں کی (۲) اللہ سود کو مٹاتے ہیں (۳) مٹنے کی مختلف اقسام ہیں (۴) ''سخی لوگ مالوں کو کھاتے ہیں اور بخیل چاندی اور سونا کھاتے ہیں'' (۵) مزہ۔

برکت اور انتفاع کا ہوا۔

رشوت کا حشر

ایک وجوہ باطلہ (۱) میں سے رشوت ہے کہ لوگ رشوت لے لے کر مال جمع کرتے ہیں پھر دیکھئے اس کا کیا حشر ہوتا ہے میرے ایک عزیز پولیس میں ملازم تھے انہوں نے خوب رشوتیں لے لے کر روپیہ جمع کیا تھا اتفاق سے سرکار کی طرف سے کسی معاملہ میں مقدمہ قائم ہوگیا تھا جتنا کمایا تھا سب اس میں لگ گیا حتی کہ گھر کا زیور بھی نہ رہا۔ بالکل خالی رہ گئے جب خدا خدا کرکے اس مقدمہ سے جان بچی اس کے بعد پھر اسی طرح روپیہ جمع کیا اور اس روپیہ کے نوٹ خریدے اور ایک پرانے تکیہ میں سی دیئے اس خیال سے کہ اسے چور کیا لیں گے ایک روز اتفاق سے وہ تحقیقات میں گئے تھے ان کے مکان میں آگ لگ گئی گھر والوں نے قیمتی اسباب اٹھا اٹھا کر گھر سے باہر پھینکا۔ اس تکیہ کا کسی نے خیال بھی نہ کیا وہ جب تحقیقات کرکے آئے تو معلوم ہوا کہ گھر میں آگ لگ گئی تھی پوچھا کہ میرا تکیہ کہاں ہے گھر والوں نے کہا کہ جو قیمتی چیزیں تھیں وہ مشکل سے بچائی ہیں وہ پرانا تکیہ بھی کوئی حفاظت کے قابل تھا کہنے لگے میرے تو اس میں نوٹ تھے اور نوٹوں کے نمبر محفوظ تھے نہیں اس لیے سب کمائی جاتی رہی اور اس میں سے کچھ جائیداد خرید لی تھی اس میں اس طرح کسر نکلی کہ کسی کاشتکار پر نالش (۲) کی تھی اس مقدمہ میں اس کاشتکار نے ان حضرات کو قتل کردیا۔

یہ انجام ہوتا ہے ایسے مال والوں کا دن رات ایسے لوگ فکروں میں مبتلا رہتے ہیں اور ایک شخص ہے جس کی یہ حالت ہے۔ لنگلے زیر و لنگلے بالا (۳) جس کی آمدنی بھی کم ہے بس معمولی سا کھا پہن لیتا ہے اور مزے سے پاؤں پھیلا کر رات کو سوتا ہے وہ اچھا ہے یا ایسے لوگ اچھے ہیں یہ رشوت کے انجام ہیں۔

اسی طرح سے قمار ہے (۴) نہ معلوم اس میں جیتنے والے کہاں جاتے ہیں۔

---

(۱) غلط طریقوں میں سے ایک طریقہ رشوت ہے (۲) مقدمہ (۳) ایک کپڑا اوپر یعنی چادر ایک کپڑا نیچے یعنی لنگی (۴) جوا۔

جس کو سنو گے کہ ہار گئے۔ یہ کسی کو نہ سنو گے کہ جیت گئے اس کے متعلق کھلے ہوئے واقعات ہیں سینکڑوں کے اس میں گھر بار تباہ ہو گئے ایسے مالوں میں ذرا برکت نہیں ہوتی ہم نے دیکھا ہے کہ رشوت والے ہزاروں جمع کر لیتے ہیں مگر ایک دو پشت کے بعد کچھ بھی نہیں رہتا بالکل محتاج ہو جاتے ہیں۔ آج ایک شخص نوکر تو پچیس روپیہ کا ہے مگر حرام مال خوب سمیٹتا ہے اور اس کے یہاں اولاد بھی ہے مہمان بھی ہیں دوست احباب بھی ہیں۔ تندرستی بھی ہے مکان کی تعمیر بھی ہو رہی ہے یہ اپنی حالت پر نہایت خوش ہیں پھر تھوڑے دنوں میں کچھ نہیں رہتا یہ کیا بات ہے؟ اصل یہ ہے کہ ایسے مالوں میں برکت نہیں ہوتی ہے۔

برکت کی حقیقت

لوگ برکت کی حقیقت یہ سمجھتے ہیں کہ تھوڑا روپیہ بہت سا ہو جائے حالانکہ یہ اس کی حقیقت نہیں ہے بلکہ بات یہ ہے کہ ہر چیز ایک خاص کام کے لیے موضوع ہوتی ہے اس کا اس کام میں آنا تو برکت ہے اور اگر اس کام میں نہ آئے تو بے برکتی ہے۔

مثلاً روپیہ اس واسطے ہے کہ اس کے ذریعہ سے کھائیں پہنیں دنیا کی راحت حاصل کریں۔ تو اگر وہ کھانے پہننے کے کام میں آئے اور اپنے تن کو لگے تو برکت ہے اور اگر اس کام میں نہ لگے بلکہ فضول اڑ جائے تو بے برکتی ہے تو ایسے مال اکثر اپنے تن پر صرف نہیں ہوتے کہیں عطاروں کے یہاں جاتے ہیں کہیں ڈاکٹروں کی فیس میں خرچ ہوتے ہیں کہیں یار دوست کھا جاتے ہیں اپنے تن کو کچھ بھی نہیں لگتا۔

ایک شخص تھے اسی قسم کے ان کی بیوی ہمیشہ بیمار رہتی تھی ان کے صاحبزادے پلنگ پر سوار رہتے تھے روپیہ دواؤں اور ڈاکٹروں اور طبیبوں میں صرف ہوتا تھا اور پھر نوکر خوب کھاتے اڑاتے تھے چاروں طرف سے لوٹ ہو رہی تھی یہ حالت تھی کہ مہینہ میں پانچ سو روپے آتے ہیں وہ تھوڑے اور ہزار آتے ہیں وہ تھوڑے یہ اس قسم کے مال اتنی بڑی نحوست کی چیز ہے۔

دیکھئے ہر شخص کے لیے تعطیل (۱) راحت کی چیز ہے مگر ان کے لیے مصیبت ہے کیونکہ اس روز لوٹ کھسوٹ کرنے کی گنجائش نہیں ملتی ایک رشوت خور نے فوٹو میں اپنی تصویر کھنچوائی تھی جس کی شکل یہ تھی کہ وہ اپنی جیبوں میں ہاتھ دیئے کھڑا تھا۔ لوگوں نے جو اس تصویر کو دیکھا تو بہت تعریف کی کہ بالکل اصل کے مطابق ہے ایک گنوار نے وہ تصویر دیکھی اور کہا کہ یہ تصویر تو بالکل غلط ہے لوگوں نے وجہ پوچھی تو آپ فرماتے ہیں کہ تصویر میں ہاتھ اپنی جیب میں دکھائے گئے ہیں۔ حالانکہ ان کے ہاتھ تو دوسروں کی جیب میں رہتے ہیں۔ دیہات کے لوگوں کا دماغ بڑا عمدہ ہوتا ہے اسی واسطے بڑے بڑے علماء دیہاتی ہوئے ہیں الا ماشاء اللہ! کیسی گہری بات کہی کہ ان کے ہاتھ تو پرائی جیب میں ہوتے ہیں۔

سو تعطیل کے دن (۲) پرائی جیب ملتی نہیں اس لیے وہ ان کے لیے یوم ماتم ہے انہیں انتظار لگا رہتا ہے کہ کب تعطیل کا دن ختم ہو یہ کتنی بڑی نحوست ہے۔ اس رشوت کی۔

رشوت کی خرابی

پھر اس میں ایک اور خرابی ہے وہ یہ کہ دنیا میں بڑی چیز جاہ ہے حتی کہ مال بھی ایسا عزیز نہیں ہے۔ دیکھئے مال کو جاہ کے واسطے صرف کر دیتے ہیں اور جتنی فضول خرچیاں کرتے ہیں اکثر اسی کے واسطے کرتے ہیں سب اخراجات کی تو حد بھی ہے اور مواقع جاہ میں خرچ کرنے کی کوئی حد ہی نہیں غرض زیادہ حصہ مال کا تفاخر اور ناموری میں صرف ہوتا ہے تو جاہ اتنی بڑی چیز ہے کہ اس کے مقابلہ میں مال کی بھی کچھ پرواہ نہیں کی جاتی اور وہ اس رشوت میں بری طرح برباد ہوتی ہے سو اتنی بڑی نحوست عقلیہ ہے اس رشوت میں چنانچہ واللہ! آدمی رشوت لینے سے رشوت دینے والے کی نظر سے بالکل ہی گر جاتا ہے۔ وہ اس کو ایسا سمجھنے لگتا ہے جیسے خانسامہ (۳) اور پلہ وار (۴) کہ اب ہمارا سارا بوجھ یہ اٹھائے گا پھر کیا وقعت ہوئی ایسے شخص کی بعض لوگ آٹھ آنہ تک بھی نہیں چھوڑتے

(۱) چھٹیاں (۲) چھٹی کا دن (۳) باروچی (۴) قلی مزدور۔

ایسے بدنیت ہوتے ہیں۔

ایک شخص ڈپٹی تھے اور قوم کے تھے برہمن۔ دورہ میں ایک زمیندار ان کے پاس آیا اور نذر دینے کے لیے جیب میں ہاتھ ڈالا اس کی جیب میں ایک روپیہ تھا اور ایک ادھنا(۱) ڈپٹی صاحب چونکہ گھوڑے پر سوار ہو چکے تھے اس وجہ سے اس نے جلدی سے ہاتھ اونچا کر کے نذر پیش کر دی اور یہ دیکھا نہیں کہ میں کیا دے رہا ہوں جب گھر آئے تو دیکھا کہ جیب میں روپیہ موجود ہے اب یہ بڑے شرمندہ ہوئے کہ میں نے اس کو ادھنا دیدیا وہ اپنے جی میں کیا کہتا ہوگا اب یہ دوسرے پڑاؤ پر پہنچا اور روپیہ پیش کیا اور عذر کیا کہ مجھ سے غلطی ہوگئی تھی میرا وہ ادھنا دے دیجئے۔ انہوں نے کہا کہ ہم برہمن ہیں ہمارا کام ایسا ہی ہے یہ کہہ کر ادھنا بھی رکھ لیا۔

یہ اوقات ہے ان لوگوں کی خیال فرمایئے بعض لوگ تاویل کر دیتے ہیں کہ لوگ خوشی سے دے جاتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ آپ نے بھی کبھی خوشی سے رشوت دی ہے اپنے اوپر قیاس کر لیں اور اگر فرض کر لیا جاوے کہ خوشی ہی سے دیتے ہیں تو آخر ہمدردی بھی کوئی چیز ہے اسی کی رو سے ایسی رشوت سے انکار کر دیا ہوتا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور چندہ

دیکھئے رعایت وہ چیز ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں چندہ آتا تھا۔ آپ بعض مواقع پر واپس کر دیتے تھے ہر ایک کا چندہ آپ نہ لیتے تھے کسی چندہ جمع کرنے والے کو ایسا دیکھا ہے حضرت آج کل تو مال حرام تک واپس نہیں کرتے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واپس کرنے کی یہ وجہ ہوتی تھی کہ اس شخص کو دینے کی گنجائش نہ ہوتی تھی اس لیے وہاں اس بات کا اندیشہ ہوتا تھا کہ شاید اس شخص کو فی الحال گرانی ہو یا بعد میں دینے سے پچھتاوے یا تکلیف اٹھاوے اور حضرت ابوبکرؓ کا سارا گھر لے لیا کیونکہ وہ صدیق اکبر بھی تھے۔ وہاں نہ طبع پر ناگواری کا شائبہ تھا نہ تکلیف سے متاثر ہونے کا

(۱) پرانے روپے کا سکہ ایک آنے کا نصف۔

اس لیے لے لیے کیونکہ وہ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اندر فنا ہو گئے تھے غیریت بالکل اٹھ گئی تھی پھر ان میں یہ احتمالات کس طرح ہو سکتے تھے۔

مقام ابوبکرؓ وعمرؓ

یہی راز ہے اس کا کہ حدیث میں آیا ہے کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمرؓ ہوتے تو اس پر ظاہراً یہ شبہ ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بعد نبوت کا مستحق حضرت عمرؓ کو فرمایا حالانکہ حضرت ابوبکرؓ ان سے افضل تھے اس لیے ان کا استحقاق زیادہ معلوم ہوتا ہے تو اس کا راز ہمارے مولانا محمد یعقوب صاحب فرماتے تھے کہ حضرت ابوبکرؓ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اندر فنا ہو گئے تھے وہ من بعدی میں داخل ہی نہ تھے وہ آپ کے غیر تھوڑا ہی تھے۔ وہ تو عین ہو گئے تھے یہ وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بعد ان کو مستحق نہیں کیا کیونکہ وہ تو معی تھے ان کو من بعدی کیسے کہا جا سکتا ہے۔

یہی راز ہے اس کا کہ حضرت صدیق اکبرؓ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات پر اتنے پریشان نہیں ہوئے جتنے حضرت عمرؓ پریشان ہوئے پریشانی تو بعد سے ہوتی ہے جو فانی ہو چکتا ہے وہ بعد نہیں ہوتا وہ تو ہر وقت مشاہدہ کر رہے تھے پھر کیسی پریشانی حضرت ابوبکرؓ کی تو بڑی شان ہے ادنیٰ اولیاء اللہ کی حکایات لکھی ہیں کہ ان کے احباء کے انتقال پر بالکل رنج نہیں ہوا۔

چنانچہ ایک عورت تھیں ان کے چند اولاد کا انتقال ہو گیا تھا وہ روئیں تک نہیں اور کہا کہ میں روؤں کیوں خدائے تعالیٰ کی قسم میں تو ان کو دیکھتی ہوں میرا دل خوش ہے پھر میں کس لیے روؤں۔ تو جیسے ان کو اپنے عزیز کا مشاہدہ تھا حضرت ابوبکرؓ کو اس سے بڑھ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مشاہدہ تھا۔ گو ان کو ظاہراً بعد ہو گیا تھا مگر بعد باطنی نام کو نہ تھا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جزو کی مثل تھے۔

چندہ میں بے احتیاطی

حاصل یہ ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ کا سارا مال لے لیا کیونکہ وہ فانی ہو چکے

تھے اور ایک غریب شخص مال لایا تو آپ نے واپس کردیا اور فرمادیا کہ جاؤ اپنا مال اٹھالو۔ آج ایسے شخص کا چندہ فخر کے ساتھ لیا جاتا ہے جو یوں کہے کہ میں نے اپنے پاس کچھ نہیں چھوڑا اور اس پر کہتے ہیں کہ ان میں ایسی حمیت قومی ہے کہ سارا گھر لاکر رکھ دیا ایسے اور ایسے ہیں۔

میں تو ایسے چندہ دینے والوں کو کہا کرتا ہوں کہ کام ہوش سے کرو۔ جوش سے مت کرو۔ (جوش میں سارا گھر لادیا اور بعد میں جب ضرورت واقع ہوئی تو ہوئے پشیمان) اگر جوش کو فضیلت ہوتی تو انبیاء علیہم السلام کا زیادہ حصہ مجذوب ہوتا ان میں عقل نہ ہوتی حالانکہ وہ اس قدر ذوی ہوش اور صاحب عقل تھے کہ کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔ جب یہ بات ہے کہ لوگ جوش میں آکر ایسا کرگزرتے ہیں تو اگر کوئی شخص لیکچر دے یا وعظ کہے اور کسی کے پاس صرف دس ہی روپیہ ہیں اور اس نے جوش میں آکر دس کے دس ہی دے دیئے تو اس کا چندہ لینا درست نہیں اس کو ہوش ہونے دو اس کے بعد اس سے کہو کہ تمہاری آمدنی ایک مہینہ کی دس روپے ہیں ابھی ایک مہینہ پڑا ہے۔ تمہارے اہل وعیال ہیں ان کے خرچ کو چاہئیے وہ اس سے مقدم ہیں اگر بڑا ہی شوق ہے چندہ دینے کا تو ایک روپیہ مہینہ کردو۔

غرض تمہارے ہی مذاق پر قومی ہمدی بھی کوئی چیز ہے آج کل قومی ہمدردی کو ذبح کیا جاتا ہے چکی پیسنے والے تک چندہ سے نہیں چھوڑے جاتے۔

بعض نے سل بٹہ بیچ کر چندہ دیا، ایسی بے جا رقموں میں کیا برکت ہوگی نیز چندہ میں بعض ناجائز صورتیں تجارت کی رکھی ہیں جو شریعت میں حرام ہیں۔ مثلاً کسی غریب سے ترغیب ہی کی نیت سے کہا ایک روپیہ چندہ میں دے دینا جب اس نے ایک روپیہ دیا اب اس روپیہ کی بولی بولی گئی کہ اس متبرک روپیہ کو جو کہ نہایت جوش وخلوص سے اپنی حیثیت سے زیادہ دیا گیا ہے اور اس لیے متبرک ہے کون خریدتا ہے اب کسی نے اس کے دس لگائے اور کسی نے سو اور کسی نے ہزار۔ لوگ جوش میں آکر بڑی بڑی

رقمیں بولتے ہیں۔تو یہ ربوا(۱) ہونے کی وجہ سے بالکل حرام ہے۔

نیز اس لیے بھی کہ یہ پالیسی ہے۔ چندہ وصول کرنے والے کسی غریب کو خود کھڑا کردیتے ہیں اوراس پالیسی سے بڑی بڑی رقمیں وصول کرتے ہیں۔شریعت پالیسی کو جائزنہیں کہتی،شریعت گندہ(۲) سمجھتی ہے ان حرکتوں کا وہاں تو دارومدار صدق وخلوص وسادگی پر ہے کہ بات سچی ہواور یہ چندہ خلوص سے نہیں دیا جاتا بلکہ محض نمائش وسازش سے دیا جاتا ہےلوگ جوش میں آکر ایک روپیہ کو ہزار روپیہ سے خریدتے ہیں۔

خوب سمجھ لیجئے کہ اگرکوئی خلوص سے دے رہا ہےتو وہ ایک روپیہ ہی برکت کا ہے۔ ایسی برکت کی چیز ہاتھ سے دے کر ہزار روپیہ لے لیےتو وہ اس کے مصداق ہیں۔أَتَسْتَبْدِلُونَ الَّذِي هُوَ أَدْنَىٰ بِالَّذِي هُوَ خَيْرٌ (۳) جب حقائق پر نظر ہوتواس کی برائیاں محسوس ہوسکتی ہیں حضرت چندہ میں یہ بے احتیاطیاں ہورہی ہیں۔ یادرکھو کہ ایسے جوش کی حالت میں جس میں آدمی مغلوب العقل ہوجائے اور بعد میں پچھتائے خود چندہ لینا ہی ناجائز ہے جوش سے جب کوئی دے تو مت لو۔ ہاں جب ہوش درست ہوجائے اس وقت لےلو۔

پیروں کی حالت

اسی طرح آج کل کے پیروں کی حالت دیکھوتو عجیب ہے ان کو تحصیل مال میں بالکل احتیاط نہیں۔ نذرانے معین ہیں تقاضے کرکرکے وصول کرتے ہیں خواہ کسی کے پاس بھی نہ ہواور دل تنگ ہوکر قرض ادھار کرکے لایا ہواور دل میں چاہے کوستا ہی ہومگر انہیں لینے سے کام،معمولی دعوت بھی منظورنہیں کرتے۔ دعوت میں کم ازکم مرغ تو ہو بلکہ خود فرمائش کرتے ہیں۔ اگرکسی کو مسی روٹی(۴) کی استطاعت ہوتو شاہ صاحب کے منہ میں نہ چلے اس طرح خلق اللہ کے گلے گھونٹے ہیں۔حدیث میں ہے: لا یحل مال امرء مسلم الا بطیب نفس (۵) غرض شاہ صاحب مریدین میں جاکر کچھ اور بن جاتے ہیں انسان

(۱)سود(۲)برا سمجھتی (۳)''کیا تم بہتر چیز کے بدلے ادنیٰ چیز لیتے ہو'' سورۃ البقرہ:۶۱ (۴) چنے کا اٹا ملی ہوئی روٹی(۵)''کسی کا مال اس کی خوش دلی کے بغیر لینا جائزنہیں ہے'' کتاب التمہید لابن عبدالبر:۱۰/۲۳۱۔

تھوڑا ہی رہتے ہیں۔ لوگ ان کو جوتا تک اٹھانے نہیں دیتے کیونکہ ان کے ہاتھوں کو اتنا متبرک سمجھے ہیں کہ جوتے کا ان کے ہاتھوں کو مس ہونا ان کی شان کے خلاف سمجھتے ہیں اگر یہی ہے تو پاؤں سے بھی نکال لینا چاہئے کوئی جوتا ان کے پاؤں میں نہ چھوڑنا چاہئے یعنی جب جوڑا بدل کر آویں پاؤں میں سے نکال لینا چاہئے کیونکہ جیسے ہاتھ متبرک ہیں پاؤں بھی متبرک ہیں لہٰذا جوتے کو ان کے پاؤں کے ساتھ بھی مس نہ ہونے دینا چاہئے۔

یہ ساری خرابی اس کی ہے کہ پیر اپنے کو ہر بات میں ممتاز رکھتے ہیں جس کی وجہ سے عوام کا ان کے ساتھ ایسا خیال ہو گیا ہے جب وہ ہر چیز میں اپنے کو ممتاز رکھتے ہیں ان کا کھانا اور پہننا اور ہر چیز ممتاز ہے تو ان کی جنت بھی اور ہی ہونی چاہئے اگر کہیں جولاہے تیلی کے ساتھ جنت میں رہے تو قیامت ہی قائم ہو جائے گی۔ غور کرنے کی بات ہے کہ آج کل شاہ صاحبوں کی تو یہ حالت کہ سب سے ممتاز ہو کر رہتے ہیں۔

معاشرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ کیفیت کہ اس طرح رہتے تھے کہ پتہ بھی نہ چلتا تھا کہ صدر کون ہیں چنانچہ باہر کے ناواقف لوگ آتے تو ان کو پوچھنے کی ضرورت ہوتی اور وہ پوچھتے من محمد فیکم (۱) صحابہ فرماتے ھذا الابیض المتکئے کہ یہ جو گورے چٹے تکیہ کئے بیٹھے ہیں یہ ہیں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ صحابہؓ کے بتلانے سے پتہ چلتا ہے یہ ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ویسے پتہ نہ چلتا تھا۔ بیٹھنے میں تو آپ کی یہ حالت تھی۔

چلنے میں یہ حالت تھی کہ کچھ صحابہؓ آگے کر دیئے اور کچھ پیچھے کر دیئے کبھی کوئی آگے ہو گیا کبھی پیچھے ہو گیا ملے جلے چلتے تھے پتہ نہیں چلتا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کون سے ہیں۔ سو آپ کی تو یہ حالت اور آج بزرگی کے یہ معنی ہو گئے کہ سب سے ممتاز ہو۔

بہر حال یہ ہماری ہمدردی اور یہ ہماری محبت ہے کہ ایک شخص نے ہمارے سامنے سارا گھر لاکر رکھ دیا اور ہم نے اس پر قبضہ کر لیا۔ کیا یہی ہمدردی ہے کہ سب

(۱) تم میں سے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کونسے ہیں۔

سنگوالو اور اس کو مفلس کر دو۔ اسی لیے میں کہا کرتا ہوں کہ ہوش سے کام لو جوش سے مت لو چندہ دینے والے کو بھی نہ چاہیے کہ جوش میں آکر اپنے کو بالکل خالی کر دے اور چندہ لینے والوں کو بھی اس کا خیال چاہئے کہ ایسا چندہ نہ لیں تجربہ سے دیکھا گیا ہے کہ بعض لوگ جوش میں آکر ایسا کر گزرتے ہیں اور بعد کو پشیمان ہوتے ہیں جوش میں اکثر عقل مغلوب ہوتی ہے اس لیے جلدی نہ کرے جب جوش کا خاتمہ ہو جاوے اس وقت جو کام مناسب سمجھے کرے۔

قابل قدر عقل

عقل ایسی چیز ہے کہ ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ اے عمرؓ اس وقت کیا حال ہوگا جب قبر میں رکھے جاؤ گے اور فرشتے کڑکتے ہوئے گرجتے ہوئے تمہارے پاس آویں گے اور تم سے پوچھیں گے من ربك ما دينك اس پر حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ بتلا دیجئے کہ عقل بھی اس وقت رہے گی یا نہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ عقل تو دنیا سے بھی زیادہ ہوگی۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب عقل ہمارے پاس ہوگی تو پھر کیا اندیشہ ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ عقل سے کام لیں گے اور جواب صحیح دیں گے۔

تو عقل اتنی بڑی نعمت ہے خدا تعالیٰ کی، آج کل لوگ عقل کے پیچھے لٹھ لئے پھرتے ہیں بے عقلی کی قدر کرتے ہیں بزرگوں میں بھی لوگوں کو مجذوب ہی پسند ہیں جس میں عقل نہ ہو اور جو عقل سے کام لیتے ہوں، ان کو بزرگ نہیں سمجھتے بلکہ ان کو عقل پرست کہتے ہیں۔ اے صاحبو! عقل بڑی نعمت ہے خدا تعالیٰ کی اسی وجہ سے تمام انبیاء عقل میں کامل ہوئے ہیں بتلایئے تو سہی انبیاء علیہم السلام میں کوئی مجذوب بھی ہوئے ہیں اس لیے ضروری ہے کہ چندہ دینے والے بھی عقل سے کام لیں اور چندہ لینے والے بھی یہ انہماک جو چندہ میں ہوتا ہے جس کے پیچھے عقل ہوش سے بھی گزر جاتے ہیں اس کا سبب یہ ہے کہ کام زیادہ پھیلا دیتے ہیں سب سے پہلے اس کی اصلاح کرو یعنی کام جتنا ہو سکے

اور جتنی وسعت ہو اتنا کریں۔ جو نہ ہوسکے نہ کریں بہرحال چندہ میں اس کی ضرور احتیاط رہنی چاہیے کہ ناجائز طریقہ سے وصول نہ کیا جاوے۔

اہل چندہ مسجد اور مدرسہ کے لیے بھی تو اس کی احتیاط نہیں کرتے انہیں اس سے غرض ہوتی ہے کہ چندہ ملے چاہے جس طرح بھی ملے۔ اگر ان سے کہا جاتا ہے کہ اس طرح چندہ کرنا جائز نہیں تو یوں کہتے ہیں کہ ہم اپنی ذات کے لیے تھوڑا ہی کرتے ہیں ہم تو خدا کے لیے کرتے ہیں اور بعض چندہ وصول کرنے والوں کی یہاں تک نوبت پہنچ گئی ہے کہ انہوں نے غیرت کو بھی بالائے طاق رکھ دیا ہے اور آدمیت سے بھی گزر گئے ہیں۔

چنانچہ جب علی گڑھ یونیورسٹی کا چندہ ہوا ہے اس زمانے میں ہمارے یہاں سے ایک برات قصبہ جھنجانہ گئی تھی ایک لیڈر صاحب چندہ وصول کرنے والے اس برات میں تھے۔ دستور یہ ہے کہ جب دلہن کو ڈولے میں سوار کرتے ہیں تو ڈولے پر بکھیر ہوتی ہے (۱) اور بھنگی اس کو لوٹتے ہیں اور عرفاً انہیں کا حق سمجھا جاتا ہے۔ جس وقت پیسوں کی بکھیر ہوئی تو لیڈر صاحب پیسے لوٹنے کے لیے بھنگیوں کے ساتھ کھڑے ہو گئے اور تین آنے کے پیسے اکٹھے کئے تعجب ہے کہ اگر کوئی مولوی ایسا کرے تو اس کو وحشی اور دون ہمت شمار کریں اور ان کا ہر فعل تمدن و ترقی سمجھا جاتا ہے غرض یہ کہ انہوں نے بھنگیوں کے ساتھ شامل ہو کر پیسے لوٹے پرانے لوگوں کو ان کی یہ حرکت بہت ناگوار ہوئی اتفاق سے نماز کا وقت آ گیا نماز کے لیے یہ مسجد میں گئے اور جماعت کے ساتھ کھڑے ہونے لگے جماعت میں ایک ظریف بھی تھے انہوں نے کہا کہ ذرا ہٹ کر کھڑے ہو اس لیے کہ جس وقت آپ پیسے لوٹ رہے تھے تو بھنگیوں کا بدن آپ سے ملتا تھا اور پسینہ آپ کو بھی آ رہا تھا اور ان کو بھی ہٹو الگ کھڑے ہو یہ تو کیفیت تھی ان کی کہ لوگ اپنے پاس بھی کھڑا نہ ہونے دیتے تھے اور ان کو اس پر بڑا فخر تھا اگر ایسی ہی بے حسی ہے تو ایسے موقع پر بھنگی ہی کیوں نہ بن جائے۔

---

(۱) پیسے پھینکے جاتے ہیں۔

کورانہ تقلید

کورانہ تقلید پر مولانا نے ایک حکایت لکھی ہے کہ ایک صوفی سیاہ تھے وہ کسی خانقاہ میں آ کر ٹھہرے۔ وہاں اہل توکل اور اہل تاکل (۱) دونوں قسم کے لوگ تھے ان شاہ صاحب کی سواری میں گدھا تھا اس کو تھان (۲) پر باندھ دیا سائیں کو حفاظت کرنے لیے وہاں چھوڑ دیا اس پر جو نیند کا غلبہ ہوا تو وہ پڑ کر سو رہا۔ اہل خانقاہ نے کیا کیا کہ اس گدھے کو وہاں سے کھولا اور بازار میں لے جا کر بیچ ڈالا اور اس کی قیمت سے کھانا تیار کیا کھانے کے بعد سماع شروع ہوا اور سماع میں ان لوگوں نے یہ شرارت کی کہ حال لانا شروع کیا اور اس میں کہنے لگے۔

خر برفت وخر برفت وخر برفت (۳)

شاہ صاحب اس کا مطلب خاک نہ سمجھے اور ان کے دیکھا دیکھی آپ نے بھی یہی کہنا شروع کیا۔ کہ خر برفت وخر برفت وخر برفت اب سائیں کی جو آنکھ کھلی تو دیکھتا کیا ہے کہ گدھا ندارد (۴)۔ وہ گھبرایا ہوا شاہ صاحب کو خبر کرنے دوڑا تو انہیں یہ کہتا ہوا پایا خر برفت وخر برفت وخر برفت۔ وہ سمجھا کہ انہیں گدھے کے چلے جانے کی پہلے ہی سے خبر ہے وہ یہ سمجھا کہ اپنی جگہ جا کر سو رہا اب صبح کو جو شاہ صاحب نے تھان پر اپنا گدھا نہ پایا تو غل مچایا (۵) کہ میرا گدھا کہاں گیا۔ اہل خانقاہ نے کہا کہ ہم کو کیا خبر شاہ صاحب بولے کہ مجھ کو کیا خبر تھی؟ پھر سائیں (۶) پر خفگی شروع کی کہ تو نے کس واسطے خبر نہیں کی اس نے کہا کہ میں تو خبر کرنے کے لیے آیا تھا یہاں آ کر دیکھا تو آپ خود ہی فرما رہے تھے کہ۔

خر برفت وخر برفت وخر برفت (۷)

میں سمجھا کہ آپ کو پہلے ہی خبر ہوگئی پھر میں کیا خبر کرتا رونے لگے مجھ کو تو کچھ بھی خبر نہ تھی سب کہہ رہے تھے میں بھی کہنے لگا۔

بہر حال ایک تو کورانہ تقلید ہوتی ہے جس کے یہ نتائج ہیں اور ایک تقلید علماء کی

(۱) اللہ پر بھروسہ کرنے والے اور پیٹ بھر کر کھانے والے (۲) گدھے گھوڑے باندھنے کی جگہ (۳) ’’گدھا گیا، گدھا چلا گیا، گدھا چلا گیا‘‘ (۴) گدھا غائب ہے (۵) شور (۶) ملازم پر (۷) ’’گدھا چلا گیا، گدھا چلا گیا، گدھا چلا گیا‘‘۔

ہے جس پر مدار ہے دین کا، تو ان لوگوں کو علماء کی تقلید سے تو عار آتی ہے اور دوسری قوموں کی تقلید کو رانہ کرتے ہیں اور یہی جڑ ہے تمام خرابیوں کی پس اس قسم کے لوگ جس طرح چندہ میں غیر قوموں کی تقلید کرتے ہیں اسی طرح قومی ہمدردی میں بھی غیر قوم کے مقلد ہیں۔

جس زمانہ میں جنگ طرابلس اور اٹلی ہو رہی تھی ان حضرات نے طرابلس کے ساتھ ہمدردی کرنی چاہی تو اس میں بھی غیر قوموں کے مقلد بنے (غیر قوموں کا یہ طریقہ ہے کہ جب اپنے طرف دار کے ساتھ کوئی لڑتا ہے تو مخالف کا مال جوان کے ملک میں آتا ہو اس کو خریدنا موقوف کر دیتے ہیں تا کہ اس کو ضرر پہنچے تو انہوں نے بھی ایسا ہی کیا) کہ لڑکی کی ٹوپی جو اٹلی سے آتی تھی اس کی خریداری بند کر دی تا کہ اس کی تجارت میں کمی واقع ہو اور اس سے اس کو ضرر پہنچے اور جو ٹوپیاں پہلے کی خریدی ہوئی تھیں ان کو آگ میں جلا دیا مگر یہ خوب بات ہے کہ غصہ تو اٹلی پر اور اس میں ناس کریں اپنا نیز ان کی خریداری بند کر لینے سے اس کو کیا ضرر پہنچ سکتا ہے۔ یہ ہیں ہی کیا؟ کیا پدی اور کیا پدی کا شوربہ۔

ہم میں اور ان غیر قوموں میں بڑا فرق ہے اور قوموں میں اتفاق ہے وہ جب خریداری چھوڑتے ہیں تو ایک دم سے سب چھوڑتے ہیں اور ہمارے اندر اتفاق نہیں ہم اگر خریداری چھوڑیں گے تو خاص ہی خاص لوگ ہوں گے جو اس میں ساتھ دیں۔ لہٰذا وہ قومیں جو ایسا کرتی ہیں تو ان کا فعل موثر ہے اور ہمارا فعل کچھ بھی موثر نہیں بلکہ ہمیں الٹا ضرر پہنچتا ہے یہ لوگ عقل کے مدعی ہیں اور پھر ایسی حماقتیں کرتے ہیں ہم نہیں جانتے کہ عقل کے کیا معنی ہیں بس آج کل کی عقل دیکھ کر یہ کہنے کو جی چاہتا ہے جیسے مولانا فرماتے ہیں:

آزمودم عقل دور اندیش را بعد ازیں دیوانہ سازم خویش را(۱)

ایسے لوگوں نے چندہ میں بھی وہ طریقہ اختیار کیا ہے جو غیر قوموں کا ہے اور معاشرت میں بھی وہ طریقہ اختیار کیا ہے جو غیر قوموں کا ہے۔ ہر بات میں غیر قوموں کے مقلد ہیں اب ایسے جوش کے چندہ کے متعلق ایک مسئلہ سنو خوب یاد رکھو کہ جو شخص

(۱) ''میں نے دور کا سوچنے والی عقل کو بڑا آزمایا پھر اپنے آپ کو دیوانہ بنالیا''۔

جوش میں آ کر اپنی حیثیت سے زیادہ چندہ دیتا ہے وہ مغلوب العقل (۱) کے حکم میں ہوتا ہے ایسی حالت میں اس سے چندہ لینا اور اس کو خالی کر کے چھوڑ دینا دین کے تو خلاف ہے ہی عقل کے بھی خلاف ہے ہمدردی کے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ یہ اس کو فقیر کر دینا ہے۔

ناجائز آمدنی

میں رشوت کے متعلق عرض کر رہا تھا درمیان میں چندہ کا بھی ذکر آیا۔ ذکر یہ تھا کہ رشوت ایسی ذلیل چیز ہے کہ اس سے آدمی نظر سے گر جاتا ہے یہ نحوست عقلی ہے اس میں۔ اور اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ قومی ہمدردی کے بھی بالکل خلاف ہے اگر شریعت کے حکم کو نہ دیکھا جائے تو خود عقل بھی اس کو ناجائز بتلاتی ہے اور یہ بالکل غلط بات ہے کہ لوگ خوشی سے دیتے ہیں جو لوگ رشوت دیتے ہیں تو نقصان پہنچنے کے خیال سے دیتے ہیں خوشی سے کوئی نہیں دیتا جو دیتا ہے مجبور ہو کر دیتا ہے اس لیے یہ ہمدردی کے بھی خلاف ہے۔

اسی طرح بیرسٹری کی آمدنی ہے کہ قطع نظر اس کے کہ شریعت کے نزدیک یہ کیسی ہے خود ہمدردی کے بھی خلاف ہے اس کی تو یہاں تک کیفیت ہوگئی ہے کہ یہ بھی ایک قسم کی دوکانداری ہوگئی کسی پر مقدمہ ہوجاوے اور وہ کسی کو وکیل بنانا چاہے تو کہتے ہیں کہ ہر پیشی پر پہلے اتنا لے لوں گا جب کام کروں گا اس کا مطلق خیال ہی نہیں ہوتا کہ اس بیچارے کو اتنی مقدار دینے کی گنجائش بھی ہے یا نہیں بلکہ اگر وہ کہتا ہے کہ کچھ کم لے لیجئے تو بیرسٹر صاحب کہتے ہیں کہ نرخ بگڑتا ہے (۲) یہ تو ہمدردی ہے پھر مذہبی حالت ان حضرات کی قابل دید ہے۔

میرٹھ کا واقعہ ہے کہ ایک بیرسٹر صاحب کے پاس کچھ لوگ عید کے دن ملنے گئے تو آپ کہتے ہیں کہ ویل آج آپ لوگوں کو عید ہے مطلب یہ ہے کہ ہماری عید نہیں ہم اسلام ہی میں داخل نہیں یہ ان لوگوں کی مذہبی حالت ہے۔

پھر مقدمہ کی پیروی پر تو لیتے ہی ہیں اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ ذرا رائے دے دی اور پانچ سو روپیہ لے لیے شریعت میں رائے پر محنتانہ لینا جائز بھی نہیں۔ یہ رشوت محصنہ ہے (۳)۔ اس بارے میں میرا ایک رسالہ بھی ہے اس کا خلاصہ عرض کرتا ہوں۔

(۱) مخبوط الحواس کے حکم میں ہے (۲) جو فیس مقرر کر رکھی ہے اس میں خرابی واقع ہوتی ہے (۳) خالص رشوت۔

وہ یہ کہ شریعت نے جس چیز کو متقوم (۲) نہیں قرار دیا اس کا معاوضہ لینا جائز نہیں مثلاً آپ کا حق شفعہ تھا۔ آپ نے سو روپیہ لے کر اس کو چھوڑ دیا تو یہ سو روپیہ واجب الادا ہیں (۳) اور حق شفعہ بھی نہیں رہا کیونکہ شریعت نے شفعہ کی کوئی قیمت مقرر نہیں کی یا مثلاً کسی نے حاکم سے سفارش کردی اور پچاس روپیہ لے لیے یہ پچاس روپیہ حرام ہیں اکثر لوگ رشوت مقدمات میں کچھ لینے کو کہتے ہیں حالانکہ یہ سب بھی رشوت میں داخل ہیں حاکم سے سفارش کرنا بھی ایسا ہی فعل ہے کہ شریعت نے اس کی کوئی قیمت مقرر نہیں کی اور اگر یہ سب متقوم ہیں تو ان پیر کا مذاق بھی معتبر ہونا چاہئے جن کا قصہ عرض کرتا ہوں۔ وہ یہ کہ میں بنگالہ میں تھا وہاں ایک شاہ صاحب کی دعوت کی گئی اور کھانے کے بعد ان کو پچاس روپے دیئے گئے وہ اس پر راضی نہ ہوئے آخر مشکل سے دو سو روپیہ پر صلح ہوئی بس دعوت کھانا بھی ایسی محنت مشقت کا کام ہے جس کے کھلانے والوں کو اجرت دینی پڑتی ہے۔

ایک شخص تھے وہ مولود شریف پڑھا کرتے تھے اور پانچ روپیہ ان کا نذرانہ تھا ایک مرتبہ کہیں مولود شریف پڑھنے گئے اور کرتہ ان کا بہت پرانا ہو گیا تھا انہوں نے سوچا کہ کسی طرح نیا کرتہ لینا چاہئے بس انہوں نے یہ ترکیب کی کہ ایک شعر پڑھا اور اس پر حال طاری کیا اور جھر سے اپنا کرتہ پھاڑ ڈالا میزبان کو شرم معلوم ہوئی کہ بلا کرتے کے رخصت کرے اور اس لیے ان کو نیا کرتہ بنا کر دینا پڑا ان حضرات نے پانچ روپے تو الگ لیے اور کرتہ الگ لیا نقصان اس لیے کیا تھا کہ آمدنی ہو جائے گی بجائے پرانے کرتے کے نیا مل جائے گا یہ ترکیب ہے وصول کرنے کی۔ تو جیسے انہوں نے کرتہ پھاڑنے کا عوض لیا اسی طرح ان شاہ صاحب نے دعوت کھانے کا عوض لیا خوب سمجھ لو کہ ایسے اعمال کی قیمت لینا رشوت میں داخل ہے۔

رائے اور مسئلہ کی قیمت

اسی طرح سے رائے دینا بھی ہے کہ اس کی قیمت لینا جائز نہیں۔ اگر رائے کی

(۲) قیمتی (۳) واپس کرنا واجب ہے۔

قیمت ہے تو جو بھی کوئی رائے دے دے قیمت لے لیا کرے اگر کہو کہ اوروں کی رائے میں اور ہماری رائے میں فرق ہے کہ ہم قانون دان ہیں۔ ہماری رائے سے لوگوں کا کام چلتا ہے تو میں کہتا ہوں کہ اگر کسی کو کوئی رائے دے دی تو اس میں کون سی محنت پڑی اور اگر کہو کہ اس میں محنت یہ ہے کہ سوچنا پڑتا ہے یہ دماغ خرچ کرنے کی قیمت ہے تو میں کہوں گا کہ اگر محنت اس کا نام ہے تو پھر رومال میں روپے باندھنے پڑیں گے اور پھر گھر تک لانے پڑیں گے پھر ان کو صندوق میں رکھنا پڑے گا ان سب باتوں کی بھی قیمت ہونی چاہیے کیونکہ ایسی محنت ان کے اندر بھی ہے بس اس کا سارا گھر لے لو۔

اسی طرح مسئلہ بتلانے کی قیمت لینا جائز نہیں کیونکہ اس میں دین فروشی ہے اور وہ حرام ہے البتہ تعلیم دین بطرز تدریس پر اجرت لینا جائز ہے کیونکہ اس میں مشقت ہے لیکن مسئلہ بتلانے کی کیا اجرت بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ پانچ روپے لاؤ جب مسئلہ بتلائیں گے۔ یہ جائز نہیں ایک شخص نے تو کمال ہی کر دیا کہ ایک فتویٰ دیا اور ہزار روپے لے لیا۔ فتوے میں عجیب تماشا یہ کیا کہ پھیر پھار کے ایسی صورت نکالی کہ ساس سے نکاح کرنا جائز کر دیا۔

قصہ یہ تھا کہ ایک شخص ساس پر فریفتہ ہو گیا تھا اور وہ اپنی بیوی کو چھوڑ کر اس سے نکاح کرنا چاہتا تھا مگر ایسا مشہور بات تھی کہ عامی تک جانتا ہے کہ ساس سے نکاح حرام ہے اس لیے اس کی جرات نہ ہوئی وہ شخص ایک دوکاندار مولوی کے پاس جو کہ اتفاق سے غیر مقلد بھی تھے پہنچا اور ان سے کہا کہ کوئی ترکیب ایسی بتلایئے کہ ساس حلال ہو جاوے اور ایک ہزار روپیہ سامنے رکھ دیا۔ شیطان تو بڑا استاد ہے اپنے فن کا بڑا عالم ہے۔ اس نے ایک ترکیب سمجھائی آپ نے فتویٰ لکھا کہ ساس وہ ہوتی ہے جو منکوحہ کی ماں ہو تو اس کی بیٹی اگر منکوحہ ہو تو یہ ساس ہوگی ورنہ ساس نہ ہوگی لیکن اکثر جاہل عورتیں بعض اوقات کلمات کفریہ بک دیا کرتی ہیں اسی طرح اس کی بیوی نے بھی نکاح سے پہلے کلمات کفریہ ضرور کہے ہوں گے اور نکاح کے وقت تجدید ایمان کرائی نہ تھی پس اس عورت کا نکاح صحیح نہیں ہوا اس لیے یہ منکوحہ نہیں ہوئی جب یہ منکوحہ نہیں ہوئی تو وہ ساس نہ ہوئی بس نکاح جائز۔ رہی یہ بات کہ زنا اور مس بالشہوت سے حرمت مصاہرت تو ثابت ہو جاتی ہے تو یہ

صرف حضرت ابوحنیفہؒ کی رائے ہے جس کو ہم نہیں مانتے کیا ترکیب ہے واللہ! یہود نے بھی ایسی تحریف نہ کی ہوگی۔ یہ ہے دین فروشی رشوت بھی لی تو کتنے برے طریقے سے سچا مسئلہ بتلا کر بھی رشوت لینا جائز نہیں چہ جائیکہ دین میں تحریف کر کے، ہاں کتابت کی اجرت لینا جیسے فرائض (۱) لکھنے میں یہ جائز ہے۔ مگر اس کے اثر پر بھی اگر نظر کیجئے تو یہ بھی برائی سے خالی نہیں وہ اثر یہ ہے میں نے خود دیکھا ہے کہ لوگ مفتی سے فرمائش کرتے ہیں کہ مولانا فلاں وارث کا نام نہ لکھئے گا۔ ایسی فرمائش اس لیے کرتے ہیں کہ کچھ دیتے ہیں ورنہ کیوں ہمت ہو۔

ایک شخص نے میرے سامنے فرائض پیش کی اور یہ کہا کہ جلدی مل جائے اور ایک روپیہ دور سے میرے سامنے پھینکا اور کہا کہ یہ اس کا حق المحنت ہے۔ میں نے کہا کہ اپنا کاغذ اٹھا لیجئے اور جایئے وہ جلدی اس لیے مچا رہے تھے کہ ایک روپیہ بھی دیا تھا ورنہ کیوں جلدی مچاتے۔ مجھ کو ان کے جلدی مچانے پر رنج نہیں ہوا بلکہ اپنے بھائیوں پر رنج ہوا کہ نہ وہ لیتے نہ لوگوں کو ایسی جرات ہوتی۔

ایک صاحب رئیس بطور مہمان میرے یہاں تشریف لائے انہوں نے ایسی حماقت کی کہ مجھ کو حیرت ہوگئی جب معمولی بات کی بھی سمجھ نہیں تو ریاست کیا کرتے ہوں گے تو ان حضرت نے حرکت یہ کی کہ جب کھانا کھا چکے تو کھانے کے بعد ایک روپیہ نکال کر میری طرف پھینکا کہ لیجئے جیسے بھٹیارے کے یہاں پھینک دیتے ہیں اس وقت ایک بزرگ مولوی صاحب بھی مہمان تھے ان کو اس حرکت پر بڑا غصہ آیا میں نے ان سے کہا کہ بس میں ہی نمٹ لوں گا آپ خاموش رہیے۔ میں نے وہ روپیہ ان ہی پر کھینچ مارا اور میں نے کہا کہ جناب تہذیب سیکھئے آپ کو اتنی تمیز نہیں مجھے ان سے زیادہ اپنے ہم طبقہ لوگوں پر افسوس ہوا کہ ان کے لینے ہی کی وجہ سے یہاں تک نوبت پہنچی ہے۔

مشائخ کی حالت

آج کل کے مشائخ نے ناس کر رکھا ہے۔ یہ حالت ہے کہ درویش میرے یہاں آئے ان کے ایک خلیفہ بھی ان کے ساتھ تھے جو کہ اہل علم میں سے تھے۔ انہوں

(۱) میراث کے حصے نکال کر بتانے پر۔

نے مجھ سے کہا کہ مجھ پر قرضہ ہو گیا ہے میں نے کہا کیسے ہو گیا وہ بولے کہ مرید کھا گئے دو دو مہینے پڑے رہے اور وصول ان سے کچھ ہوا نہیں میں نے اس توقع پر قرض لے کر کھلا دیا کہ نذرانہ دیں گے نذرانہ دیا نہیں میں نے کہا کہ آپ نے یہ بھی سوچا تھا کہ دوں گا کہاں سے کہنے لگے کہ نذرانے کی امید پر ایسا کرتا رہا، اس کے بعد کہا کہ آپ پریذیڈنٹ بہاولپور کو سفارشی خط لکھ دیجئے کہ وہ مجھ کو چھ ہزار روپیہ قرض دے دیں میں نے کہا کہ آپ ادا کہاں سے کریں گے کہنے لگے کہ مریدوں سے جو ملے گا اس سے ادا کروں گا میں نے کہا: یا اللہ! ابھی آپ مریدوں کو نہیں بھولے ان کی وجہ سے تو یہ نوبت پہنچی، پھر جب انہوں نے میرے عذر کرنے پر بھی اصرار کیا تو میں نے ان کی وجاہت کی وجہ سے خط لکھ دیا اور ان کو دے دیا پھر میں نے دوسرا خط بذریعہ ڈاک پریذیڈنٹ کے پاس بھیج دیا کہ ایسا ایسا خط لے کر ایک صاحب آپ کی خدمت میں آئیں گے۔ اس پر عمل نہ کیجئے گا بلکہ جیسی آپ کی مصلحت ہو ویسا کیجئے گا چنانچہ ان کے پاس سے میرے ہاں جواب آ گیا کہ آپ اطمینان رکھیں جو مناسب ہوگا وہی کیا جائے گا۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں مشائخ کی یہ حالت ہو رہی ہے مجھے ایک بزرگ کا قول پسند آیا ایک شخص ان کے پاس روپیہ لایا اور کہا یہ میرے بھائی نے بھیجا ہے اور رسید لینے کو لکھا ہے سو رسید دے دیجئے اور بات یہ تھی کہ بھیجنے والے کو اپنے بھائی پر اعتماد نہ تھا۔ ان بزگ نے کہا کہ لو اپنا روپیہ کہیں رشوت کی بھی رسید ہوتی ہے۔

جیسے لوگ سررشتہ دار کو دیتے ہیں کہ کچھ کر دیں گے ایسے ہی ہمیں سمجھتے ہیں کہ اگر انہیں دیں گے تو یہ اللہ تعالیٰ سے کچھ کہہ دیں گے۔ ہے تو یہ ایک لطیفہ مگر ایک نتیجہ خیز بات ہے سو نذرانہ کی یہ حالت ہو گئی ہے۔ بعض لوگ اس خیال سے دیتے ہیں کہ پیر یوں کہیں گے کیسا مرید ہے۔ نذرانہ ہی نہیں دیا اب تو پیروں کے مہینہ اور فصلانے اور ششماہی (۱) معین ہیں بڑے بڑے ثقہ لوگ کہتے ہیں کہ پیر کے یہاں خالی جاوے خالی آوے یہ ایک جملہ بنایا ہے معنی تو اس کے صحیح تھے مگر بے محل اس کا استعمال کرتے ہیں۔ صحیح معنی اس کے یہ ہیں کہ جو

(۱) مہینہ پر اتنی رقم۔ چھ ماہ بعد اتنی رقم مرید پیش کریگا۔

خالی جاوے خلوص سے تو وہ خالی آوے گا فیوض سے اور یہ معنی نہیں کہ جو خالی جاوے فلوس(۱) سے بلکہ ایسا قصداً کرنا چاہئے کہ شیخ کو کبھی دو اور کبھی نہ دو۔ اگر ایسا کروگے تو ان کی نیت بھی نہ بگڑے گی ورنہ یہ حالت ہوتی ہے کہ مرید کی صورت دیکھی اور خیال ہوا کہ اب کچھ دیگا مرید کے ذمہ بھی یہ امر ضروری ہے کہ ایسا کام نہ کرے جس سے شیخ کے اخلاق خراب ہوں اگر پیر میں حرص پیدا ہوگئی مرید کے عمل سے تو اس نے پیر کا ناس کر دیا۔

پھر تو وہ ایسی پیری مریدی ہوگی جیسے کسی مرید نے اپنے پیر سے کہا تھا کہ میں نے یہ خواب دیکھا ہے کہ آپ کی انگلیاں تو شہد میں بھری ہوئی ہیں اور میری نجاست سے پیر نے کہا کہ تم تم ہی ہو اور ہم ہم ہی ہیں۔ مرید نے کہا کہ ابھی خواب ختم نہیں ہوا آگے بھی تو سنئے۔ پھر میں نے یہ دیکھا کہ آپ میری انگلیاں چاٹ رہے ہیں اور میں آپ کی چاٹ رہا ہوں اس پر پیر صاحب بہت بگڑے اور مرید کو بہت برا بھلا کہا مرید نے کہا کہ حضرت آپ برا مانیں یا بھلا مگر دیکھا تو اسی طرح ہے۔

اب اس میں دو احتمال ہیں یا تو دل لگی کے طور پر اس نے یہ بات گھڑی تھی۔ یا واقعی خواب تھا اگر خواب تھا تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ مرید نے تو پیر سے دین کے لیے تعلق رکھا تھا اور پیر نے مرید سے دنیا کی غرض سے تعلق رکھا تھا اور اگر یہ خواب گھڑا ہوا ہے تو یہ ایک تمثیل ہے(۲) ایسے شیخ اور مرید کے تعلق کی اور تمثیل بھی نہایت غضب کی ہے واقعی نذرانہ کی پیری مریدی کی بالکل یہی حالت ہوتی ہے ایسے پیروں سے بڑا ضرر پہنچتا ہے مرید نذرانہ دے کر دین سے بالکل سبکدوش ہوجاتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ بس ہم نے سب حق ادا کر دیا یہ لوگ ڈاکو ہیں دین کے اور اس دین کے ڈاکو سے وہ ڈاکو اچھے ہیں جو جرات کر کے بندوق وتلوار سے لوٹ مار کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ لوگ اپنے آپ کو مجرم سمجھتے ہیں اور یہ اپنے آپ کو بے جرم جانتے ہیں اور وہ اپنی جان کو خطرہ میں ڈال دیتے ہیں اور یہ بالکل بے خطر ہوتے ہیں اس لیے وہ اچھے ہوں گے اور شاید قیامت میں ایسا ہی معاملہ ہو تو کچھ بعید نہیں جیسا کہ جامی کا ارشاد ہے۔

(۱) پیسے نہ دے (۲) ایک مثال ہے۔

گنہ آمرز رندان قدح خوار بطاعت گیر پیران ریا کار(۱)

خلاصہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں آمدنی کے یہ ابواب ہیں جن کو میں نے بیان کیا اور یہ بے احتیاطیاں ہورہی ہیں۔

حلال وحرام کی تمیز

اموال کے حاصل کرنے میں حرام وحلال کی بالکل تمیز نہیں رہی یہی وجہ ہے کہ قلب میں نور نہیں ہوتا۔ نماز پڑھتے ہوئے مدتیں ہوگئیں مگر قلب میں نورانیت نہیں ان میں سے بعض کو یہ غلطی واقع ہوگئی ہے اور ان کے ذہن میں یہ بات جم گئی ہے کہ حلال دنیا میں مفقود ہوگیا ہے اسی وجہ سے وہ حلال کی فکر ہی نہیں کرتے۔ شیطان نے ان کو یہ پٹی پڑھائی ہے اور اپنے نزدیک بڑے متقی ہیں کہ کسی چیز کو حلال ہی نہیں سمجھتے مگر اس کا انجام یہ ہے کہ پھر ایسے لوگ بالکل احتیاط نہ کریں گے جو چیزیں صریح حرام ہیں ان سے بھی پرہیز نہ کریں گے۔ سمجھ لیں گے کہ حلال کا تو وجود ہی نہیں اور حلال حرام سب برابر۔ اس لیے کسی چیز کو بھی نہ چھوڑیں گے۔ بقولے کہ

چو آب از سر گذشت چہ یک نیزہ چہ یکدست(۲)

شیطان کی پٹی پڑھانے کا یہ نتیجہ ہوگا۔

میں کہتا ہوں کہ یہ محض غلط ہے کہ حلال کا وجود دنیا میں نہیں اور یہ صرف شیطانی دھوکہ ہے کہ وہ اس طریقہ سے حرام میں مبتلا کرنا چاہتا ہے میں حرام وحلال کا معیار بتلاتا ہوں اس کو سمجھ لینا چاہئے معیار یہ ہے کہ فتویٰ فقہی جس چیز کو کہہ دے کہ یہ حلال ہے تو وہ حلال ہے اور جسے کہے کہ یہ حرام ہے تو وہ حرام۔ یہ وہ وقت ہے کہ آج کل مشتبہ چیز کو بھی حلال کہا جاتا ہے نہ کہ حلال کو بھی اس میں شبہات نکال کر حرام کردیا جائے بس یہ معیار یاد رکھو کہ جس کو فتویٰ فقہی حلال کہہ دے بس وہ حلال ہے اصل میں بعض واعظین نے ایسی ایسی حکایات بیان کرکے لوگوں کو دھوکے میں ڈالا ہے۔ ایک حکایت یہ

(۱) ''شراب نوش گناہ گار ریاکار پیروں سے بہتر ہوں گے'' (۲) ''جب پانی سر سے گزر گیا تو ایک نیزہ کیا اور ایک ہاتھ کیا''۔۔

بیان کیا کرتے ہیں کہ ایک بزرگ تھے ان کا کھیت تھا اتفاق سے ان کا بیل دوسرے کے کھیت میں گھس گیا اور اس کے کھر میں اس کھیت کی مٹی لگ گئی پھر وہ ان کے کھیت میں آ گیا اور وہ مٹی ان کے کھیت میں مل گئی، تو انہوں نے اس کھیت کا غلہ کھانا چھوڑ دیا۔

بس لوگ اس قسم کی حکایت کو سن کر سمجھ لیتے ہیں کہ جب یہ حالت ہے تو حلال کا وجود ہی نہیں نہ ہم سے ایسا ہو سکے گا نہ حلال نصیب ہوگا پھر خوب حرام پر ہاتھ مارتے ہیں میں کہتا ہوں کہ اول تو یہ حکایت صحیح نہیں اور اگر صحیح بھی ہو تو وہ بزرگ مغلوب الحال تھے اور مغلوب الحال مجنون کے حکم میں ہوتا ہے اس کا فعل قابل تقلید نہیں ہوتا۔

دین میں غلو

میں اس بات کا دعویٰ کرتا ہوں کہ شریعت کے برابر کسی قانون میں وسعت نہیں۔ دیکھئے شریعت دین میں غلو کرنے کی بھی اجازت نہیں دیتی چنانچہ ارشاد ہے: يَٰٓأَهۡلَ ٱلۡكِتَٰبِ لَا تَغۡلُواْ فِي دِينِكُمۡ (۱) اور ارشاد ہے: لَا تُحَرِّمُواْ طَيِّبَٰتِ مَآ أَحَلَّ ٱللَّهُ لَكُمۡ (۲) اور دیکھئے حدیث میں ہے کہ تین شخص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دولت خانہ پر حاضر ہوئے اور بعض ازواج مطہرات سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معمولات دریافت کئے اور جب انہیں بتلائے گئے انہوں نے اس کو کم سمجھا اور کہا کہ ہم اپنے کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کیسے قیاس کر سکتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تو اگلے پچھلے سب زلات (۳) معاف ہو چکے ہیں ہمیں یہ بات کب نصیب ہے اس لیے ہم کو بہت زیادہ مجاہدہ کی ضرورت ہے پس ایک نے ان میں سے کہا کہ میں اتنی عبادت کروں گا کہ سوؤں گا نہیں۔ ایک نے کہا میں نکاح ہی نہ کروں گا۔ ایک نے کہا کہ میں ہمیشہ روزہ ہی سے رہوں گا افطار نہ کروں گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مکان پر تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان تینوں کی باتیں معلوم ہوئیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ناگوار ہوا اور فرمایا یاد رکھو میں سوتا بھی ہوں، جاگتا بھی ہوں، نکاح بھی کرتا ہوں، کھاتا بھی ہوں، روزہ بھی رکھتا ہوں خوب سمجھ لو۔ یہ میرا طریقہ

(۱) ''اے اہل کتاب دین میں غلو نہ کرو'' (۲) ''ان پاکیزہ چیزوں کو حرام قرار نہ دو جنہیں اللہ نے تمہارے لیے حلال قرار دیا ہے'' (۳) گناہ۔

ہے اور جو شخص میرے طریقہ کو چھوڑے گا اس سے مجھ کو کوئی علاقہ نہیں۔

دیکھئے ان لوگوں پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غلو فی الدین کی وجہ سے کتنا بڑا تشدد فرمایا کہ ایسے شخص کا مجھ سے کوئی علاقہ نہیں۔

ایسا ہی ایک اور واقعہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک دفعہ مسجد میں تشریف لائے دیکھا کہ دوستونوں کے درمیان میں ایک رسی بندھی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ یہ رسی کیسی ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ یہ رسی زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے باندھی ہے جس وقت ان کو نوافل پڑھتے پڑھتے نیند ستاتی ہے تو کسل رفع (۱) کرنے کے لیے) اس پر سہارا لگا لیتی ہیں۔ آپ نے یہ سن کر فوراً اس کو توڑ ڈالا اور فرمایا کہ نفس پر اتنا تشدد نہ چاہئے اور فرمایا کہ جب نیند آئے سو رہو۔ جس سے کسل رفع ہو جائے پھر مشغول ہو جاؤ۔ شریعت تو یہ ہے۔

ان آیتوں اور احادیث کو فقہاء نے خوب سمجھا ہے۔ ان کا یہ مطلب نہیں کہ تقویٰ طہارت اختیار مت کرو بلکہ تقویٰ طہارت میں خوب کوشش کرو مگر حد سے آگے مت بڑھو۔ اہل ادب نے تو یہاں تک کیا ہے کہ بعض افعال کو اس لیے نہیں کیا تا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مساوات کا دعویٰ نہ ہو جائے مگر ہر شخص اس کو نہیں جان سکتا کہ کس بات سے مساوات ہوتی ہے اور کس بات سے نہیں ہوتی۔ یہ کام علماء باطن کا ہے اس کو وہی سمجھ سکتے ہیں۔

حضرت شیخ بہاؤ الدین نقشبندی کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ آپ کی نظر سے یہ حدیث گزری کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہاں چھلنی نہ تھی آٹا چھانا نہ جاتا تھا۔ بس یہ کرتے تھے کہ جو کا آٹا پیسا اور پھونک ماری بھوسی اڑ گئی اور روٹی پکالی۔ یہ طریقہ تھا آپ کو جب یہ معلوم ہوا تو آپ نے خدام سے فرمایا کہ اب سے اس سنت کے موافق عملدرآمد ہونا چاہئے کہ آٹا جَو کا ہو اور چھانا نہ جائے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور روٹی پکائی گئی اور سب نے کھائی اس کے کھانے سے سب کے پیٹ میں درد ہوا۔ سوئیاں سی چھبنے لگیں حضرت کے پیٹ میں بھی درد ہوا۔ اگر ہمیں یہ صورت پیش آتی تو یوں کہتے کہ سنت پر عمل کیا تھا اس سے یہ ہوا اگر ادب کی وجہ سے بولتے نہیں تو دل میں تو خیال ہوتا اور یہی

(۱) سستی دور کرنے کے لیے۔

کہتے کہ اب کبھی سنت کا اتباع نہ کریں گے مگر اہل ادب کے قلب میں نورانیت ہوتی ہے ان حضرات کا ادب دیکھئے آپ نے فرمایا کہ ہم نے بے ادبی کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مساوات کا دعویٰ کیا ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درجہ کو کیسے پہنچ سکتے ہیں ہم ضعیف کمزور ناتواں ہیں۔ آپ سے نچلے ہی درجہ میں رہنا چاہئے۔ پھر خدام سے فرمایا کہ کھائیں گے تو جو مگر چھان کر۔ ادب دیکھئے کہ سنت میں کوئی نقص نہیں نکالا بلکہ اپنے کو سنت کے قابل نہ سمجھا۔

شریعت میں چیزوں کی اقسام

اب میں اس مسئلہ کا حل عقلی طور سے کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ شریعت میں دو قسم کی چیزیں ہیں ایک تو وہ چیزیں ہیں جو مقصود ہیں اور ایک وہ ہیں جو مقصود نہیں ہیں۔ زائد ہیں مگر محمود ہیں لیکن یہاں مجتہد کی ضرورت ہوگی کہ وہ تمیز کرے کہ کون مقصود ہے اور کون مقصود نہیں یہ ہر شخص کا کام نہیں اس کی ایسی مثال ہے کہ طبیب نے ایک مریض کو اجازت دی کہ شلجم کھاؤ اس نے مع پتوں کے پکا کر کھائے اور اس کو نفع ہوا اب اس کا فیصلہ کرنا کہ قتلوں سے نفع ہوا یا پتوں سے یا دونوں کے مجموعہ سے یہ طبیب کا کام ہے یہاں دو چیزیں ہیں ایک قتلے اور ایک پتے ممکن ہے کہ مقصود قتلے ہوں اور مریض پتوں کو مقصود سمجھ لے یا مقصود پتے ہوں اور مریض قتلوں کو مقصود سمجھ لے۔ اس لیے اس میں فیصلہ کرنا مریض کا کام نہیں بلکہ یہ کام طبیب کا ہے۔

اسی طرح سنن میں امتیاز کرنا کہ شارع کے نزدیک مقصود کون ہے اور غیر مقصود کون ہے۔ یہ کام مجتہدین کا ہے ہر شخص کا کام نہیں اور کبھی اجتہاد میں اختلاف بھی ہوتا ہے۔

چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نماز میں رفع یدین ثابت ہے اور عدم رفع بھی ثابت ہے اب یہاں مجتہدین کا اختلاف ہوا۔ ایک مجتہد سمجھے کہ رفع مقصود ہے اور ترک رفع جو فرمایا تو بیان جواز کے لیے ہے مقصود نہیں اور ایک مجتہد عدم رفع کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ نماز میں سکون چاہیے چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ یہ تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ تم نماز میں ہاتھ اٹھاتے ہو۔ (یعنی سلام کے وقت) نماز میں سکون اختیار کرو۔ پس مقصود عدم رفع ہے اور رفع بیان جواز کے لیے فرمایا اب جنہوں نے رفع کو مقصود سمجھا ہے

تو وہ اس میں یوں کہتے ہیں کہ یہ رفع جس سے منع فرمایا یہ وہ نہیں ہے جو رکوع میں جانے اور اس سے اٹھنے کے وقت کیا جاتا ہے بلکہ یہ وہ رفع ہے کہ جو سلام پھیرتے وقت کیا جاتا ہے جیسا کہ بعض حدیثوں میں اس کی تصریح ہے کہ صحابہ جب نماز کا سلام پھیرتے تو ہاتھ اٹھا کر کہتے السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ یہ ممانعت حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس پر فرمائی ہم اس بارہ میں یوں کہتے ہیں کہ مانا اس سے وہی رفع مراد ہے مگر اس سے ایک بات تو ضرور نکلی کہ اصل مطلوب نماز میں سکون ہے اور رفع اس کے خلاف ہے پس مواقع مختلف (۱) فیہا میں بھی رفع مقصود نہ ہوگا کیونکہ وہاں نماز کی حالت اصلی یعنی سکون کے خلاف ہے اور عدم رفع چونکہ سکون کے موافق ہے اور اس لیے وہ مقصود ہوگا۔

اسی طرح اور جہاں کہیں اختلاف ہوا ہے اسی وجہ سے ہوا ہے کہ ایک نے ایک چیز کو مقصود سمجھا اور ایک نے دوسری چیز کو۔

مثلاً آمین کہنا، ایک مجتہد کی رائے یہ ہے کہ مقصود آمین پکار کر کہنا ہے اور اخفاء جو ہوا ہے تو وہ بیان جواز کے لیے اور ایک مجتہد کی رائے ہے کہ مقصود اخفاء ہے کیونکہ یہ دعا ہے اور دعا میں اخفاء مقصود ہے اگر پکار کر کبھی کہہ دیا ہے تو وہ اس لیے تاکہ معلوم ہوجائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آمین بھی کہا کرتے ہیں اگر کبھی پکار کر نہ کہتے تو خبر نہ ہوتی کہ آمین بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کہا کرتے ہیں جیسے کبھی کبھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اسی حکمت کے لیے سری نماز میں ایک آیت پکار کر پڑھ دی ہے تعلیم کی غرض سے۔ ایک مجتہد کی رائے یہ ہے اور ایک کی وہ رائے۔ یہ اختلاف کا ہے سے ہوا۔ اسی وجہ سے کہ ایک نے ایک چیز کو مقصود سمجھا اور دوسرے نے دوسری چیز کو۔ اگر اس کو پیش نظر رکھا جائے تو آپس میں لڑائی جھگڑے ہی کا خاتمہ ہوجائے۔ بس یہ راز ہے اختلاف مجتہدین کا اسی بنا پر تمام افعال میں اختلاف ہوا ہے۔

یہ بیان استطراداً (۲) ہوگیا۔ عرض یہ کر رہا تھا کہ شریعت میں دو چیزیں ہیں مقصود اور غیر مقصود اور یہ مجتہد کا کام ہے کہ وہ یہ بتلائے کہ مقصود کیا ہے اور غیر مقصود کیا ہے۔

نوٹ: اس وعظ کا بقیہ حصہ اگلے شمارے میں چھپے گا جس کی ابتدا اس عنوان سے ہو رہی ہے (مجتہد کا کام)

(۱) وہ مواقع جہاں اختلاف ہے (۲) ضمناً۔

أخبار الجامعة

حافظ محمد سلیمان
ادارۃ أشرف التحقیق۔ جامعہ دار العلوم الاسلامیۃ۔ لاہور

۞ 4 فروری 2021 اواری ہوٹل لاہور میں الشیخ فاروق الراعی مقیم جدّہ سربراہ انٹرنیشنل ''ادارہ الفرقان'' کے ترتیب دیے گئے ''القاعدۃ النورانیۃ (عربی) پارہ عمّ، مجموعہ پنج پارہ ودس پارہ'' کی تقریب رونمائی میں حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے شرکت کی اس موقع پر آپ نے تلاوت فرمائی بعد ازاں نورانی قاعدہ کی قدیم تاریخ پر روشنی ڈالی۔

۞ 6 فروری 2021 PC ہوٹل لاہور میں پنجاب قرآن بورڈ اور ناشران قرآن کریم کا مشترکہ اجلاس منعقد ہوا جس میں حضرت مہتمم صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے شرکت فرمائی اور آئندہ قرآن کریم کی بہتر و معیاری اشاعت اور سکول وکالجز میں قرآن کریم کی تعلیم کے فروغ کے لیے اپنی تجاویز پیش کیں۔

۞ 13 فروری 2021 مسجد عثمانیہ بوہڑ والا چوک میں حفاظ کرام کی دستار بندی کے موقع پر تلاوت فرمائی۔

۞ 14 فروری 2021 جامعہ مفتوحہ اعوان ٹاؤن لاہور میں تکمیلِ حفظِ قرآن کے موقع پر تلاوت و بیان فرمایا۔

۞ 14 فروری 2021 بعد نمازِ عشاء جامعہ دار التقوی چوبرجی لاہور میں تکمیل بخاری شریف کے موقع پر تلاوت فرمائی۔

۞ 20 فروری 2021 بعد نماز مغرب جامعہ الجمیل رائے ونڈ میں تکمیل بخاری شریف کے موقع پر اور بعد نمازِ عشاء تلواروالی مسجد انارکلی لاہور محفلِ قراءۃ میں تلاوت

فرمائیں گے۔

❁ 21 فروری 2021 ، 11 بجے دارالفلاح شاخ جامعہ ہٰذا میں تکمیل حفظ القرآن کی تقریب میں شرکت فرمائی۔

❁ 21 فروری 2021 شیخ الحدیث جامعۃ الرشید کراچی مولانا مفتی محمد صاحب مدظلہ العالی نے طلباء واساتذہ جامعہ ہٰذا سے خطاب فرمایا۔

❁ 21 فروری 2021 بعد نماز عشاء الفتح مسجد گلبرگ اور 22 کو مسجد اسماعیل جوہر ٹاؤن میں عالمی محفل قراءۃ میں تلاوت فرمائیں گے۔

❁ 14 مارچ 2021 بروز اتوار جامعہ ہذا میں تکمیل حفظ وناظرہ وتکمیل بخاری شریف کی تقریب ان شاء اللہ العزیز صبح 9:30 بجے منعقد ہوگی۔